ہفت روزہ

الفتح

کراچی

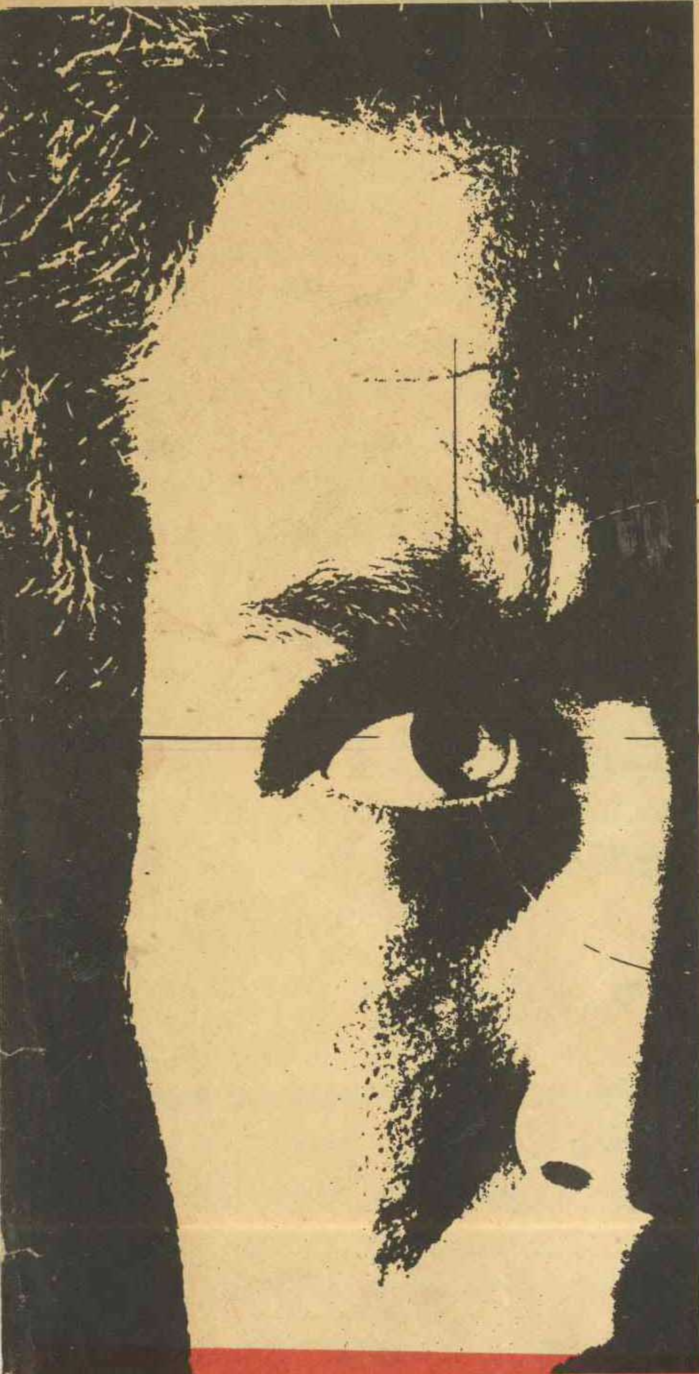
۸ر اکتوبر
— تا —
۱۴ر اکتوبر ۷۱ء

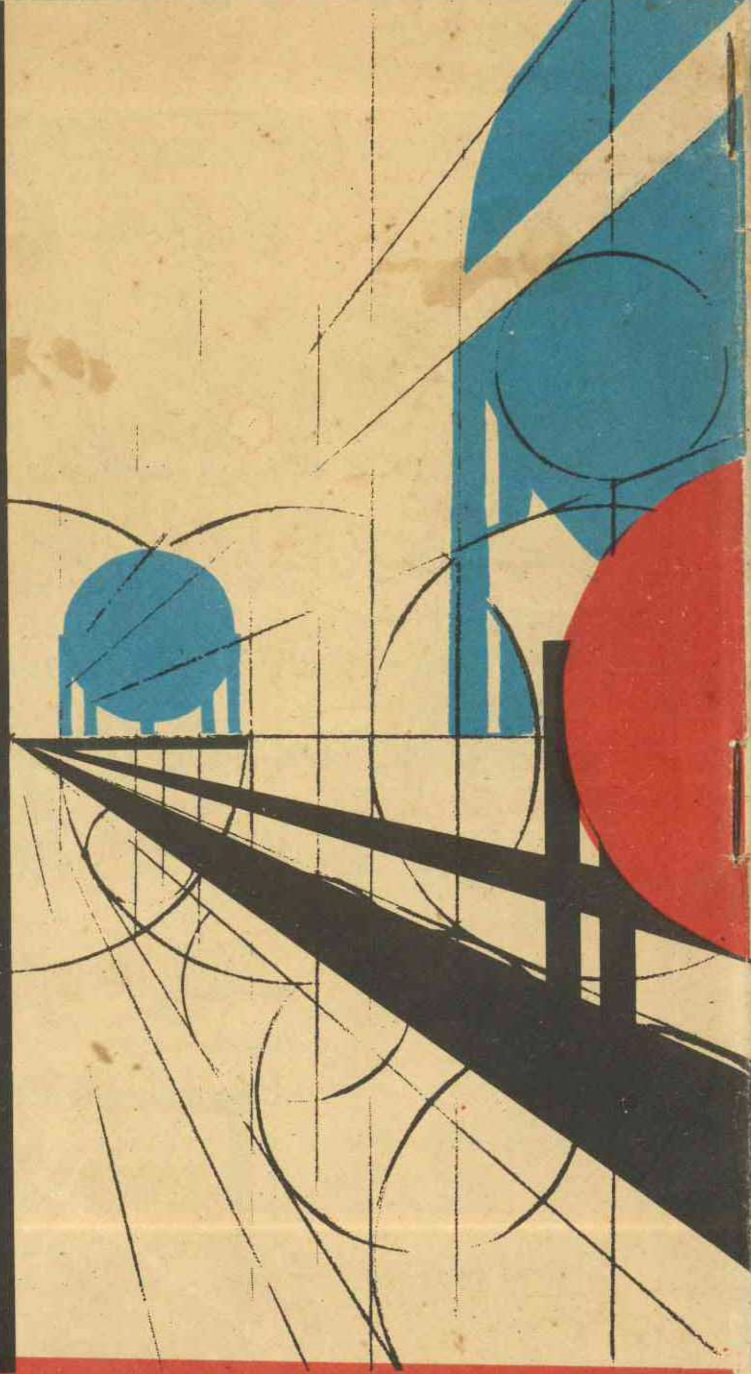
قیمت: ۵۰ پیسے
ہوائی ڈاک سے ۱،۵ پیسے

پنجاب یونیورسٹی

بے پردہ چاک

پاکستان ٹوبیکو کمپنی کے ایک خفیہ معاہدے کا انکشاف





راولپنڈی کینٹونمنٹ کی اندرونی کہانی

بلوچستان میں تازہ ترین سیاسی تبدیلیاں



آج کا المیہ

رُوح کی آسائش کے قِصّے ہیں
پیٹ بھرے کی باتیں ہیں

سرمائے کی دوڑ
بھیانک موڑ تلک آ پہنچی ہے
یہ ہی نہیں چھلکوں کا چُورا چائے کی قیمت بکتا ہے
اب تو نان بھی گندم کا ایسنس چھڑک کر بنتی ہے
اب تو کھریا مٹّی بھی پیٹینٹ دوا میں بکتی ہے
اب جسموں کی خیر مناؤ

روح کی آسائش کے قصّے
پیٹ بھرے کی باتیں ہیں

محسن بھوپالی

خدا کی بستی کے مظلوم عوام کا ترجمان

ہفت روزہ
الفتح
کراچی

جلد: ۲ شمارہ: ۲۱

۷ - ۱۴ / اکتوبر ۱۹۷۱ء

نگران
شوکت صدیقی
محمود شام

مدیر
ارشاد راؤ

معاونین خصوصی
ابراہیم جلیس، افضل صدیقی، عبدالحمید چھاپرا

مجلس ادارت
وہاب صدیقی - نعیم آروی

آرٹ ایڈیٹر
غلام نبی بزمی

عکاس :— الطاف رانا

	فی پرچہ	سالانہ	ششماہی
بدلِ اشتراک	۵۰ پیسے	۲۵ روپے	۱۳ روپے
ہوائی ڈاک سے	۷۵ پیسے	۳۰ روپے	۱۶ روپے

بحرین، کویت :- ۶۰ فلس دوبئی، قطر: ۷۵ درہم
سعودی عرب :- ۱۵ قرش - انگلستان ۲ شلنگ ۶ پنس

مقام اشاعت
ہفت روزہ الفتح ۲۸ ڈی، حسرت کمرشل ایریا
بلاک ۷، ای - سی - ایچ - ایس کراچی - ۲۹

ایڈیٹر پبلشر: ارشاد راؤ
مطبع حقی آفسٹ پریس، لیاقت آباد، کراچی

اداریہ

میاں طفیل محمد! عوام سے ڈرو

آج ایک بار پھر عوام سوچ رہے ہیں - اب کیا ہوگا ؟

یہ سوال اس قوم کے ذہن میں ہے جو اپنے دیس کے لئے مختلف آزمائشوں سے گزر چکی ہے - وہ ۲۴ سال سے حالتِ جنگ میں ہے - ایک منجھے ہوئے سپاہی کی طرح ہر شہری نے اندرونی اور بیرونی دشمنوں سے نمٹا ہے - ۱۹۶۵ء میں جب بھارتی حکمرانوں نے جارحیت کا مظاہرہ کیا تو پاکستانی ایسے لڑے کہ دنیا انگشت بدنداں تھی، کہ افلاس زدہ ، بھوکے اور ننگے عوام ، اقتصادی بدحالی کا شکار اندرونی دشمنوں سے مسلسل برسرِپیکار قوم کے شہری اتنے طاقت ور ہیں کہ وہ بیرونی دشمن کا نہ صرف مقابلہ کر رہے ہیں بلکہ اُسے ہر محاذ پر شکست دے رہے ہیں - بہت جرّی اور دلیر قوم ہے -

دُنیا نے دسمبر ۷۰ء میں پھر اسی قوم کو اندرونی دُشمنوں سے نمٹتے دیکھا - جماعتِ اسلامی اور اس کے آقاؤں نے خیالی فتح کے جو نقشے تیار کئے تھے وہ دھرے کے دھرے رہ گئے - عوام نے معرکۂ کفر و اسلام میں اسلام کے ٹھیکیداروں اور اُن کے سامراجی آقاؤں کو دھکیلتے ہوئے نعرہ لگایا - "سامراجیو! ایشیا سے نکل جاؤ"- یہ جنگ بھی عوام نے جیت لی - انہوں نے اپنے بھرپور سیاسی شعور کا مظاہرہ کیا - سامراجی ممالک حیران تھے کہ اب ایشیائی عوام کو محکوم نہیں رکھا جا سکے گا - یہ عوام سوشلزم کے حق میں ووٹ دے چکے ہیں -

دسمبر ۷۰ء سے اکتوبر ۷۱ء تک جو کچھ ہوا ہے اسے پاکستان کے عوام کے خلاف بدترین سازش سے کم نہیں کہا جا سکتا - اندرونی اور بیرونی دُشمن متحد ہوکر عوام کو ملیا میٹ کرنے کے درپے ہیں - انہوں نے نئے نقشے تیار کر لئے ہیں - پھر نبرد آزما ہونا چاہتے ہیں - معرکے کے لئے پر تول رہے ہیں - عوام اس سارے عرصے میں اندرونی دُشمنوں کی بھینٹ چڑھتے رہے - مزدوروں کو کارخانوں اور کسانوں کو زمینوں سے بیدخل کیا گیا - نوکر شاہی نے پتہ نہیں کتنے یعقوب مسیح اُنتقام کی آگ بجھانے کے لئے ختم کر دیئے - نو مہینے ایک کڑی آزمائش میں گزرے ہیں - اُن کو اجازت نہیں ہے کہ وہ اس کے خلاف آواز بلند کر سکیں -

یہ اس لئے ہوا کہ عوام نے دسمبر ۷۰ء کے عام انتخابات میں جاگیرداروں ، سرمایہ داروں اور نوکر شاہی کے ایجنٹوں کو مسترد کر دیا تھا - پاکستان کے عوام نے حالات کے مطابق اپنا تاریخی کردار ادا کیا - اس کے بعد ردِّ عمل کے طور پر جو ہوا ہے وہ سامراجیوں کا تاریخی کردار ہے - اس سے گریز ناممکن ہے - ایسا نہ ہو تو جدوجہد آگے نہیں بڑھ سکتی -

یہ درست ہے کہ عوام آج سوچ رہے ہیں کہ اب کیا ہوگا ؟

باقی صفحہ ۶ پر ملاحظہ فرمائیں

ادارہ ہفت روزہ الفتح کے کارکن صحافی لاہور کے روزنامہ "مساوات" پر پابندی پر اپنی گہری تشویش کا اظہار کرتے ہیں - اور گورنر پنجاب کے اس اقدام کو قومی مفاد کے منافی قرار دیتے ہوئے پرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ مساوات پر سے پابندی فوراً اُٹھائی جائے اور آئندہ اس قسم کے اقدامات سے نہ صرف گریز کیا جائے بلکہ آزادیٔ صحافت پر عائد شدہ پابندیاں بھی ختم کی جائیں -

سامع

آیئے عرض گزاریں کہ نگارِ ہستی
زہرِ امروز میں شیرینیٔ فردا بھر دے



سیاسی سرگرمیوں پر سے اس ہفتہ پابندی اُٹھنے کا امکان

محمود شام

۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء سے لے کر اب تک جتنا عرصہ گذرا ہے، اپنی حشر سامانیوں، نزاکتوں اور پیچیدگیوں کے باعث جتنی مشکل سے کٹ رہا ہے، ہماری تاریخ میں اتنے لمبے دن شاید کبھی نہ گذرے ہوں۔ ایک ایک گھنٹہ۔ برسوں میں پھیل گیا ہے۔ ۷ دسمبر ۱۹۷۰ء کے بعد تو ساعتیں اور طویل ہو گئی ہیں۔ ہر ہفتہ گذرنے کے بعد محسوس ہوتا ہے جیسے ہم تاریخ کی کئی ہیجنتی صدیاں گذار آئے ہیں۔ کیونکہ جانے کتنے آشوب، کتنے ہنگامے اور کتنی افواہیں سر سے گذار پڑتی ہیں

اس ہفتے بین الاقوامی خبروں کے مطابق، اندرون ملک کئی تبدیلیوں کے باعث جنگ کا خطرہ، سروں پر منڈلاتا رہا ایک روز تو اسٹاک ایکسچینج میں یہ خبر باقاعدہ اڑ گئی کہ جنگ چھڑ گئی ہے۔ بس ابھی ہنگامی حالت کا اعلان ہونے والا ہے حالانکہ ہم تو ایک عرصے سے ہنگامی حالت میں ہیں۔ رسمی اعلان کی ہی کسر ہے۔ ہمیں جن واقعات اور حادثات سے نبٹنا پڑ رہا ہے وہ ہنگامی حالت میں ہی ہوتے ہیں۔

پہلے اس ہفتے کے اہم واقعات پر نظر ڈالی جائے ۲۹ ستمبر کو مسٹر بھٹو نے اپنی تاریخی تصنیف عظیم المیہ اخبارات کو پیش کی جس سے ان کی پارٹی کا موقف بالتفصیل سامنے آیا اور کئی سربستہ رازوں سے پردہ اُٹھا۔ رجعت پرست اخبارات اور لیڈروں نے حسب معمول اس کے خلاف بیانات دینے شروع کر دیئے۔ حالانکہ اس کتاب سے ان پر کوئی زد نہ پڑتی تھی۔ اگر جواب دینا ہے تو انہیں بھی چاہیئے کہ ان کا جو موقف ہے، اور حالات کو انہوں نے جس انداز سے دیکھا ہے وہ عوام کے سامنے پیش کر دیں، عوام خود کھرے کھوٹے کا اندازہ کر لیں گے۔

دوسرا اہم واقعہ یہ ہے کہ صدر کے قانونی ڈھانچے میں یہ ترمیم کر دی گئی ہے کہ وزراء کونسل کے ارکان بھی مشرقی پاکستان کے ضمنی انتخابات میں حصّہ لے سکتے ہیں۔ گذشتہ انتخابات میں وزراء کو اجازت نہ دے کر حکومت نے اسے غیر جانبداری کہا تھا۔ شاید اب غیر جانبداری کی ضرورت نہیں رہی

تیسرا اہم واقعہ صدر یحییٰ سے میاں طفیل محمد قائم مقام امیر جماعت اسلامی کی ملاقات ہے۔ میں اسے اہم ملاقات سمجھتا ہوں۔ کیونکہ اس ملاقات کے فوراً بعد میاں صاحب نے اپنی جماعت کے کارکنوں سے شہر شہر جس طرح ملنا اور خاص طور مسٹر بھٹو کے خلاف بیانات دینا شروع کیا ہے۔ اس سے اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ورنہ اس سے پہلے انہوں نے اپنے کارکنوں سے اس طرح تیزی سے ملنے کی ضرورت محسوس نہ کی تھی۔ میاں صاحب کے یہ بیانات قانونی ڈھانچے میں ترمیم سے غیر متعلق نہیں ہیں، اسی طرح "عظیم المیہ" میں مسٹر بھٹو نے رجعت پرستوں اور بیورو کریسی کا جو گٹھ جوڑ ظاہر کیا ہے۔ وہ ان دونوں واقعات سے غیر متعلق نہیں ہے۔

میاں طفیل محمد

کے تازہ بیانات

ایک خاص مقصد

کی نشان دہی

کرتے ہیں

چوتھا واقعہ خان قیوم کا یہ کہنا ہے کہ پولٹیکل پارٹیز ایکٹ میں ترمیم کی جائے تاکہ مسلم لیگوں کا ادغام ہو جائے انہی خان صاحب نے پشاور میں کچھ عرصہ پہلے کہا تھا کہ ادغام کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس وقت پولٹیکل پارٹیز ایکٹ ان کے ذہن میں نہیں تھا۔

ضمنی انتخابات بھی نزدیک آ رہے ہیں، سیاسی جماعتوں کے وفد مشرقی پاکستان جانے کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ یہ وفد شاید اس ہفتے روانہ نہ ہوں، کیونکہ وہ صدر صاحب کی تقریر کا انتظار کریں گے۔ اس کی روشنی میں لائحہ عمل مرتب ہو سکتا ہے۔ خبریں یہ بھی ہیں کہ اکتوبر کے دوسرے ہفتے کے اندر اندر سیاسی سرگرمیوں پر سے پابندی اٹھالی جائے گی

ان تمام باتوں سے جو نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ ہیں۔

اکتوبر کے دوسرے ہفتے میں جزوی طور پر سیاسی سرگرمیوں پر سے پابندی اٹھالی جائے گی، یعنی صرف مشرقی پاکستان میں انتخابی مہم کی وجہ سے یہ رعایت دینے کا اعلان کیا جائے ممکن ہے کہ صدر یحییٰ اپنی نشری تقریر میں خود اس کا اعلان کریں

● پولٹیکل پارٹیز ایکٹ ختم کر دیا جائے۔ کیونکہ خان قیوم نے یہ مطالبہ کیا ہے اور وہ کبھی کسی اشارے کے بغیر بات نہیں کرتے، ویسے بھی سیاسی پارٹیوں کو مزید کمزور کرنے اور انتشار کا شکار بنانے کے لیے یہ کارروائی ناگزیر ہے انتظامیہ میں بعض لوگ اس کے حق میں ہیں۔

● دستور میں تحریک جمہوریت کے آٹھ نکات کی

ضمنی انتخابات کے انعقاد میں جنگ کا خطرہ رکاوٹ بن سکتا ہے

شمولیت کا امکان ظاہر کیا گیا ہے۔ کارنیلیس صاحب سے اور کیا توقع کی جا سکتی ہے۔ وہ بھی اسلام کو بہت پسند کرتے ہیں اگرچہ وہ غیر مسلم ہیں۔ لیکن اب صدر یحییٰ کے اعلان کے مطابق دستور کو اسمبلی کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ اور اس کو اختیارات حاصل ہیں کہ اس میں ترمیم کر سکے۔ اس لئے میاں طفیل اور ان کے قبیل کے دوسرے افراد بڑا خوش ہوں۔ اسمبلی میں اس دستور میں عوام کے نکات شامل ہو ہی جائیں گے۔ لیکن یہ سب امکانات اس وقت ہیں اگر کچھ طاقتیں جنگ کا ہوا کھڑا نہ کر دیں۔ اگرچہ پاکستان اور بھارت دونوں اپنے اقتصادی حالات کی بنا پر جنگ کے متحمل نہیں ہو سکتے، لیکن دنیا کے بعض مفاد پرست اسی میں اپنی بقا سمجھتے ہیں کہ قوموں کو جنگ میں الجھا دیا جائے۔ اگر یہ جنگ ہم پر ٹھونپ دی گئی۔ تو پہلے سارے امکانات ختم ہو جائیں گے۔ پھر ہنگامی حالت کا اعلان ہو گا۔ اور بس۔ اس خطرے کا احساس میاں طفیل محمد نے صدر سے ملاقات کے بعد اپنے ایک انٹرویو میں کیا ہے۔ جس میں انہوں نے بتایا ہے صدر نے انہیں یقین دلایا ہے کہ اگر جنگ کی صورت میں انتخابات کرنا عملاً ناممکن نہ ہو گیا تو بہت جلد ضمنی انتخابات کرائے جائیں گے۔ ایک انداز فکر یہ بھی ہے کہ تدبر بصیرت اسی میں ہے کہ جنگ سے گریز کیا جائے کیونکہ اگر ضمنی انتخابات بروقت نہ ہو سکے تو ظاہر ہے کہ جمہوریت کی بحالی میں تاخیر ہو جائے گی۔ اور یہ تاخیر انتہائی مہلک ہو گی، اس وقت بھی پاکستان کا وجود خطرے میں ہے بارہ کروڑ عوام پریشان ہیں۔ "الفتح" کے چھ ستمبر کے شمارے میں مسٹر بھٹو اپنے مضمون میں کہہ چکے ہیں۔ کہ اگر عوام کو اعتماد میں نہ لیا گیا تو ۱۹۶۵ء کا سا جذبہ پھر بحال نہ ہو گا۔ یہ بات بڑی حد تک درست ہے کیونکہ اب جنگ کی بات عام آدمی نہایت پریشانی کے عالم میں کرتا ہے۔ جبکہ ۱۹۶۵ء میں عام آدمی جوش اور جذبہ سے جنگ کو للکار دیتا تھا۔ انتخابات نے عام آدمی کو پریشان کر کے رکھ دیا ہے۔ انتخابات کے بعد ساعتیں طویل ہوتی جا رہی ہیں۔ ایک ایک دن میں کئی کئی برس گذر جاتے ہیں۔

ادھر ضمنی انتخابات کے سلسلے میں سیاسی پارٹیاں اپنا لائحہ عمل بنا رہی ہیں۔ لیکن وزراء کونسل کو بھی انتخابات میں شرکت کی اجازت کی وجہ سے ان انتخابات کے منصفانہ اور غیر جانبدارانہ ہونے کی توقع کم رہ گئی ہے۔ "الفتح" میں پہلے ہی لکھا جا چکا ہے کہ مشرقی پاکستان کی رجعت پرست جماعتوں، کونسل مسلم لیگ، پی ڈی پی اور جماعت اسلامی امن کمیٹیوں کے پلیٹ فارم کو انتخابی مہم کے لئے استعمال کر رہی ہیں پھر اس خدشے کا اظہار بھی کیا گیا کہ سول کابینہ میں جن جماعتوں کو نمائندگی ملی ہے۔ وہ اس وزارتی اثر و رسوخ کو انتخابات میں استعمال کریں گی۔ یہ خدشہ تو اپنی جگہ، اب تو ان وزراء کو خود الیکشن لڑنے کی اجازت مل گئی ہے۔ وہ عوامی کام کریں گے یا انتخابی مہم میں حصہ لیں گے، سرکاری طور پر ان وزراء کو پبلسٹی ملے گی اور یہ پبلسٹی پھر الیکشن میں کام آئے گی ان کے دورے بھی سرکاری خرچ پر ہوں گے، خزانے میں پہلے ہی کچھ نہیں رہا۔ ان وزراء کے ناز نخرے بھی برداشت کرنے ہوں گے۔

فیصلے کرنے والی قوتوں نے مختلف سمتیں کیوں اختیار کر رکھی ہیں؟

ان باتوں سے پھر حکومت کی غیر جانبداری پر الزام آتے لگا ہے۔ قانونی ڈھانچے میں ترمیم کر دینے سے شکوک میں اور بھی اضافہ ہوا ہے۔ پنجاب میں پیپلز پارٹی یعنی اکثریتی پارٹی کے ترجمان "مساوات" کو سات روز کے لئے بند کر دیا گیا ہے۔ ان حالات میں ایسا قدم ایک پارٹی کے کارکنوں اور حامیوں میں اشتعال بھی پھیلا سکتا ہے، دوسرے حکومت پر جانبداری کا شک بھی پیدا کرتا ہے، یہاں سندھ میں جماعت اسلامی کے ترجمان "جسارت" اور لاہور میں زندگی نے ضابطہ ۸۹ کی خلاف ورزی میں کون سی کسر اٹھا رکھی ہے، فوج کے بارے میں بھی سب کچھ لکھا، دوسری پارٹیوں پر کیچڑ اچھالا، سیاسی لیڈروں کی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کے بارے میں ناشائستہ جملے لکھے۔ لیکن سندھ کی حکومت کو اتنی جرأت نہ ہوئی۔ جس کا مظاہرہ پنجاب کی حکومت نے کیا ہے۔

تیزی سے بگڑتی ہوئی صورت حال کو سنبھالنے کی ضرورت ہے نہ کہ اس قسم کے فیصلوں سے اور زیادہ اشتعال پھیلانے کی، لاہور میں عوام کے جذبات یعقوب مسیح کے واقعے پر بھڑک اٹھے تھے۔ یہ جانتے ہوئے کہ پنجاب میں اس پارٹی کی اکثریت ہے اس پارٹی کے اخبار کو بند کر دینا، کارکنوں کو اشتعال دلانا نہیں تو اور کیا ہے۔! جبکہ دوسری طرف عام معافی کا اعلان کیا جا رہا ہے، قاتل مجرم، وطن دشمن رہا کر دیئے گئے ہیں، اور ادھر سیاسی سرگرمیوں پر سے پابندی اٹھائے جانے کا فیصلہ بھی کیا جا رہا ہے۔

یوں لگتا ہے کہ جیسے قومی فیصلے کرنے والی قوتوں نے مختلف سمتیں اختیار کر رکھی ہیں۔ اس لئے ہم اپنی تمام تر کوشش، محنت اور جد و جہد کے باوجود اس ایک نقطے تک پہنچ نہیں پا رہے۔ جو ہمیں پھر آگے بڑھنے کی راہ دکھائے گا۔

بقیہ:- اداریہ

جماعت اسلامی کنونشن لیگ، کونسل مسلم لیگ، قیوم لیگ، اور الابلا انتخابات ہارنے کے باوجود ملک کے مشرقی حصّے میں مسندِ اقتدار پر فائز ہو چکی ہیں۔ اور میاں طفیل اقتدار کے نشے میں بدمست ہاتھی کی طرح جو راگ الاپ رہے ہیں وہ ایک اور سازش کی نشاندہی کر رہا ہے۔ یعنی جماعت اسلامی پورے ملک کی حکمران جماعت بنے گی۔ صرف ضمنی انتخابات کے انعقاد کی دیر ہے۔ نئے نقشے اسی لئے بنے ہیں۔

عوام کو بے شعور کہنے والوں نے دسمبر ۷۰ کے انتخابات سے اندازہ لگا لیا ہو گا کہ عوام اُن کے نقشے تبدیل کر دیتے ہیں اور اب کی بار جو حربے وہ استعمال کریں گے اس کے جواب کے لئے تیار ہیں۔ وقت نے ہمیشہ عوام کے فیصلے کو اہمیت دی ہے۔ "وہ اب کیا ہو گا" کا حل تلاش کرنے کے اہل ہیں۔

ہفت روزہ الفتح کے گذشتہ شمارہ کا سرورق انور سمیع کا بنایا ہُوا تھا۔ ان کا نام شائع ہونے سے سہواً رہ گیا تھا (ادارہ)



پنڈی کینٹونمنٹ بورڈ میں دھاندلیوں اور بدعنوانیوں کے بارے میں ایک تحقیقاتی اور مستند رپورٹ

پنڈی کینٹونمنٹ بورڈ۔ دلچسپ اور پُراسرار کہانیاں

اباسین

بہت ہی کم لوگوں نے کبھی اس طرف توجہ دی ہوگی کہ پاکستان میں عوام کے خون پسینے سے پرورش پانے والے قومی انتظامی اداروں میں کنٹونمنٹ بورڈ کے ادارے بھی شامل ہیں جو بظاہر بڑے صاف ستھرے اور دُھلے دھلائے نظر آتے ہیں اور جن کے بارے میں مبالغے کی حد تک نیک خواہشات وابستہ رہتی ہیں، یقیناً بہت ہی کم لوگ کنٹونمنٹ بورڈز کے راز ہائے درون خانہ سے واقف ہوں گے ایک عام آدمی جسے طبقاتی معاشرے نے کبھی کچھ سوچنے اور سمجھنے کی مہلت ہی نہیں دی وہ بے چارہ کنٹونمنٹ بورڈ جیسے اداروں کی وجہ تسمیہ اور اس کے حدود اربعہ کیا سمجھ سکتا ہے، پڑھے لکھے افراد کی حد تک صرف وہی لوگ کسی نہ کسی حد تک کنٹونمنٹ بورڈز کے معاملات کو سمجھ پائے ہیں جو بلاواسطہ یا بالواسطہ اس کے عشوۂ و انداز دلبرانہ کے اسیر ہوئے ہیں

مجھے کنٹونمنٹ بورڈز کی تاریخ پیدائش تو یاد نہیں نہ ہی مجھے کنٹونمنٹ بورڈز کے علوم کلیہ" کا دعوٰے ہے کچھ تھوڑا بہت جو اپنی پیشہ ورانہ تگ و دو کی وجہ سے معلوم کر سکا ہوں اس کے مطابق کنٹونمنٹ بورڈز کا جاپانی تی خاکہ یہ ہے کہ اس کا شجرہ نسب بھی اسی نظام کی ایک شاخ سے وابستہ ہے جس کی بنیادوں یا جڑوں سے ۱۲ کروڑ عوام اپنے سر ٹکرا رہے ہیں، سول اداروں کے حوالے سے اگر بورڈز کی ہیئت پر غور کیا جائے تو خان قیوم کے مضبوط مرکز اور بورڈز کی مرکزیت ایک دوسرے کی مماثل نظر آتی ہیں، بورڈ چاہے کسی بھی شہر کا ہو اپنی مرکزیت کے اعتبار سے وہ اس بات کا مجاز نہیں ہوتا کہ اپنے مقامی عوام کے خون پسینے سے حاصل کی ہوئی دولت کو اپنی صوابدید پر خرچ کر سکے یا اپنے دماغ سے کچھ سوچ سکے۔ مرکزیت کا یہ سرچشمہ ملٹری لینڈ اینڈ کنٹونمنٹ کے ڈائریکٹریٹ سے پھوٹتا ہے اور پاکستان کے بیشتر شہروں کو سیراب کرتا ہے چونکہ بورڈز کے انتظامی ڈھانچے کی اصل لگام مرکز میں ہوتی ہے اس لئے مقامی حکام جو کچھ کرتے ہیں یا ان سے جو کچھ کروایا جاتا ہے اور اکثر صیغۂ راز ہی میں رہتا ہے، نہ اخبارات تک کوئی بات پہنچتی ہے۔ نہ عوام کو کانوں کان خبر ہوتی ہے، معاملہ ماں بیٹی کے درمیان غائب ہو جاتا ہے، اخبارات میں صرف اور صرف بلدیاتی اداروں رسول ، ہی کی کھال اُدھڑتی ہے

ملٹری لینڈ اینڈ کنٹونمنٹ کے ڈائریکٹریٹ کے بارے میں پہلے پہل ملک کے عوام زندہ محمود خان کی بدولت آگاہ ہوتے تھے جو کچھ عرصہ قبل ۳۰۳ کا شکار ہوئے تھے، وہ لوگ جو صفائی کی اس ۲۳ سالہ مہم سے خوش ہو کر بغلیں بجانے لگے تھے اس غلط فہمی کا شکار تھے کہ بس اس چھانٹی کے بعد سارے کام ٹھیک ہو جائیں گے یہ انہیں خوش فہمی تھیں۔ کہ چند زندہ محمودوں کی رخصتی سے گھر کا بوجھ کم ہو جائے گا وہ یہ نہ جانتے تھے کہ معاشرہ زندہ محمودوں کے ایازوں سے بھرا پڑا ہے، لاتعداد ایاز باقی ہیں جو زندہ محمودوں کی خالی نشستوں کے سجادہ نشین ہیں۔

کنٹونمنٹ بورڈز کے معاملات میں میری دلچسپی اس وقت شروع ہوئی جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ بورڈ کے معاملات جھٹ پٹ طے ہو جاتے ہیں مرکزی ڈائریکٹریٹ والے چٹکی میں مسائل حل کر دیتے ہیں اور یہ کہ یہاں لال فیتہ استعمال نہیں ہوتا، ظاہر ہے یہ انکشاف ہمارے معاشرے کے مزاج کے مطابق نہ تھا اپنے تجسس کی تسکین کے لئے مجھے ضرورت محسوس ہوئی کہ اس مثالی ادارے کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کروں چنانچہ معلومات کے نتائج سے مجھے یقین کرنا پڑا کہ بورڈز کے ادارے پاکستان کے کسی بھی سرکاری اور نیم سرکاری ادارے سے پیچھے نہیں، دوسرے اداروں کی نسبت بورڈز کے اداروں کے طریق کار میں اگر کچھ فرق ہے تو صرف اس بات کا ہے کہ یہاں پر معاملے کی فیس پہلے سے طے شدہ ہے نرخنامہ موجود ہے فکس پرائز ہیں، جو کام نکلوانا ہو چپ چاپ پنڈی جا کر فیس ادا کر دیجئے۔ کام کروا لائیے مقامی بورڈ کے حکام کی خوشی ناخوشی کی پروا نہیں کرنی پڑتی۔ نرخنامے کے مطابق ہر کام کی مختلف فیس ہے۔ جو کاموں کی نوعیت کے مطابق مقرر کی گئی ہے۔ تبادلہ کروانے، تبادلہ رکوانے، پنشن لینے، گریجویٹی لینے، ملازمت کی مدت میں اضافہ کروانے، ملازمت میں توسیع کروانے، مختصر یہ کہ جو کام کرانا ہو اس کی فیس اگر ٹھیک ٹھیک ادا کر دیجئے" تو نہ صرف یہ کہ کام جلد از جلد ہو جاتا ہے بلکہ قانونی حوالوں اور دستاویزی ثبوت کی ضرورت بھی باقی نہیں رہتی، اگر آپ کو یقین نہ آئے تو اس سلسلے میں آپ خود بھی معلومات کر سکتے ہیں، اگر آپ کو معلومات کے لئے کسی مدد کی ضرورت ہو تو آپ راولپنڈی میں مسٹر ایس ایم حسنین سے رجوع کر سکتے ہیں، مسٹر ایس ایم حسنین گزشتہ پندرہ سالوں سے ایسٹیبلشمنٹ اور بجٹ کے مسلسل سیکشن آفیسر کی حیثیت سے ملٹری لینڈ اینڈ کنٹونمنٹ کے ڈائریکٹریٹ پر مسلط ہیں، ماشاءاللہ بڑے بااختیار افسر ہیں بورڈز

الفتح

تبادلہ کروانے، تبادلہ رُکوانے، پنشن لینے اور وغیرہ وغیرہ کے نسخے

کے تمام معاملات انہی کے ذریعے طے ہوتے ہیں سفید و سیاہ کے مالک ہیں، قلم چلنے کی دیر ہوتی ہے کیا مجال جو کسی مسئلے کا نام و نشان باقی رہ جائے گذشتہ پندرہ سالوں میں دو مرتبہ ان کے تبادلے کے احکامات جاری ہوئے ہیں پہلی مرتبہ زندہ محمود خاں کے زمانے میں جب وہ ملٹری لینڈ اینڈ کنٹونمنٹ کے ڈائریکٹر تھے، اور دوسری مرتبہ موجودہ ڈائریکٹر میاں اقبال کے زمانے میں مگر دونوں مرتبہ ان کا تبادلہ موثر نہ ہو سکا زمین جنبد نہ جنبد گل محمد کے مصداق وہ اپنی جگہ پر قائم ہیں، آپ کو سردست یہ بات نہیں سوچنی چاہئے کہ تبادلے کے امکانات کیوں کئے گئے اور پھر تبادلہ کیونکر رک دیا گیا، یہ بات خاتمہ مضمون پر سوچنے کی ہے فی الحال آپ اس بات پر غور فرمائیں کہ کنٹونمنٹ بورڈ راولپنڈی میں قیام پاکستان کے بعد سے اب تک جو چند گلدستے تیار ہوتے ہیں - ان کی مہک کیا کہتی ہے، بات تبادلے کی ہو رہی تھی اس لئے سب سے پہلے تبادلوں کا خاکہ ملاحظہ کیجئے

(۱) غلام ابراہیم اسسٹنٹ سیکرٹری بورڈ:۔ یہ صاحب ۱۹۵۵ میں ملتان سے تشریف لائے تھے اور ۱۹۶۹ء میں مارشل لاء کے حکم پر انہیں زبردستی ریٹائرڈ ہونا پڑا، اور وہ بھی اس لئے کہ بورڈ کے سٹور کیپر کے ساتھ غبن کے ایک مقدمے میں ملوث پائے گئے تھے، غبن کے الزام کی تحقیقات کے دوران ان کا تبادلہ پشاور کیا گیا مگر انہوں نے پشاور جانا قبول نہ کیا اور بادل نخواستہ ریٹائرڈ ہو گئے، وہ چودہ سال تک مسلسل راولپنڈی ہی میں مقیم رہے، اس عرصے میں ایک مرتبہ بھی ان کا تبادلہ نہ ہوا کیونکہ وہ تبادلہ پسند نہ کرتے تھے۔ اور تبادلے کو مفید نہ سمجھتے تھے

(۲) محمد یعقوب کنٹونمنٹ انجینئر:۔ یہ صاحب ۱۹۵۴ء میں لاہور سے تشریف لائے تھے اور ۱۹۶۹ء میں راولپنڈی ہی میں ریٹائر ہو گئے، پورے پندرہ سال انجینئرنگ کرتے رہے ان کا تبادلہ نہ ہو سکا کیوں نہ ہو سکا اس لئے کہ ان کی خواہش نہ تھی اور خواہش کا احترام کرانا جانتے تھے۔

(۳) محمد نسیم لینڈ سپرنٹنڈنٹ: یہ صاحب اپنی مرسیڈیز کاروں کے لئے مشہور تھے، ۱۹۴۷ء میں میرٹھ سے تشریف لائے تھے، پہلی مرتبہ ۱۹۶۴ء میں سپیشل پولیس نے رشوت لیتے ہوئے پکڑا دس روز تک حوالات میں رہے مگر ان کا بال بھی بیکار نہ ہوا، معطل تک نہ کئے گئے، بلکہ دس روز حوالات میں رہنے کی تنخواہ بھی وصول کی، محکمانہ کارروائی سے بھی مستثنیٰ قرار دیئے گئے دوسری مرتبہ ۱۹۶۹ء میں مارشل لاء والوں نے رشوت لیتے ہوئے پکڑا، ایک سال قید کی سزا ہوئی اور اب گھر میں بیٹھے اللہ اللہ کر رہے ہیں، دلچسپ بات یہ ہے کہ ۱۹۶۴ء کی رشوت کا مقدمہ ابھی تک چل رہا ہے، ۱۹۴۷ سے ۱۹۶۹ء تک تقریباً بائیس سال انہوں نے پنڈی ہی میں گزارے کسی کی مجال نہ ہوئی کہ ان کا تبادلہ کرتا۔

(۴) محمد امین لینڈ انجینئر:۔ اپنے پیشرو سے حد درجے کی معاملہ بندی کی وجہ سے پنڈی بورڈ میں امین نسیم کی جوڑی کے طور پر مشہور تھے اور جب محمد نسیم لینڈ سپرنٹنڈنٹ رشوت لیتے ہوئے پکڑے گئے تو ان کا دل بھی ملازمت سے اچاٹ ہو گیا۔ دفتر آنا چھوڑ دیا، اور پھر ریٹائرمنٹ لے لی ساری کی ساری ملازمت پنڈی ہی میں مکمل کی۔

(۵) عبدالحمید، چیف سینٹری سپرنٹنڈنٹ:۔ یہ حضرت بھی ۱۹۴۷ء میں میرٹھ سے ہجرت کر کے آئے تھے۔ ۱۹۷۰ء تک بغیر کسی تبادلے میں ملازمت کرتے رہے، کبھی تبادلہ نہ ہوا کبھی کسی اور شہر میں ہجرت کر کے جانا نہ پڑا۔

(۶) ڈاکٹر نسیم الدین:۔ ۱۹۵۶ء میں بھرتی ہوئی تھے۔ آخر دم تک ان کا تبادلہ نہ ہو سکا، چند ماہ پہلے ڈیپوٹیشن پر نیپال چلے گئے ہیں۔

(۷) ڈاکٹر قمر الاسلام:۔ ۱۹۴۷ء میں میرٹھ سے تشریف لائے ۱۹۷۰ء میں راولپنڈی ہی میں ریٹائرڈ ہوئے، کبھی تبادلہ نہ ہوا۔ تبادلہ رکوائے رکھنے کی نیس معلوم تھی، آدمی سمجھدار تھے ۲۳ سالوں تک ڈٹ کر ملازمت بھی کی اور پرائیویٹ پریکٹس بھی کی!۔

(۸) ڈاکٹر مقبول احمد:۔ یہ صاحب ۱۹۵۸ سے اب تک پنڈی ہی میں تعینات ہیں، انشاء اللہ پنڈی ہی میں ریٹائرڈ ہوں گے۔

۹ لیڈی ڈاکٹر گل سلطانہ شاہ:۔ ۱۹۵۵ء میں بھرتی ہوئی تھیں، ابھی تک بغیر تبادلے کے خوف کے کام کر رہی ہیں۔

(۱۰) ڈاکٹر زرینہ تصدق حسین:۔ ۱۹۴۷ء میں بورڈ کی ملازمت میں آئی تھیں ۱۹۶۹ء میں ریٹائرڈ ہو گئیں ۲۲ سال کی ملازمت میں کبھی تبادلہ نہ ہوا۔ ۱۹۶۹ء میں جب کہ وہ توسیعی ملازمت پر تھیں انٹیلی جنس کی رپورٹ پر انہیں ریٹائرڈ کر دیا گیا، ایک لڑکی دہلی کے ایک ہندو ڈاکٹر سے بیاہی دوسری تہران کے کسی شخص سے لڑکا کینیڈا میں ہے اور خود اب انگلینڈ چلی گئی ہیں۔

(۱۱) لیڈی ڈاکٹر جہانگیر:۔ ان کی تمام ملازمت پنڈی ہی میں پوری ہوئی ۱۹۶۸ء میں پنڈی میں ریٹائرڈ کی گئیں۔

(۱۲) ایس ایم ساجد، چیف ٹیکس سپرنٹنڈنٹ:۔ ۱۹۴۷ء سے اب تک پنڈی ہی میں تعینات ہیں کیا مجال جو کوئی ان کا تبادلہ کرے، ان کے بارے میں بھی امید کی جاتی ہے کہ وہ ریٹائرمنٹ تک پنڈی ہی میں ملازمت کرتے رہیں گے۔

۱۳ - عبدالغنی بٹ، ٹیکس سپرنٹنڈنٹ: یہ صاحب بھی قیام پاکستان سے پہلے سے اب تک باقاعدگی سے پنڈی ہی میں تعینات ہیں ان کے تبادلے کی بھی کبھی ضرورت محسوس نہیں کی گئی

۱۴ - سید شوکت علی رضوی، چیف سینٹری انسپکٹر: اپنی تمام ملازمت میں صرف ایک سال کے لئے لاہور تشریف لے گئے تھے۔ ورنہ شروع سے آخر تک پنڈی ہی میں مقیم ہیں۔

۱۵ - عبدالرؤف اکاؤنٹنٹ: ان صاحب کو نامعلوم سنہری خدمات کے عوض ۱۹۵۸/۵۹ء میں آٹھ ایڈوانس انکریمنٹ عطا ہوئے، ایک ہی سال کے دوران چار انکریمنٹ واہ میں دیئے گئے اور چار نوشہرہ میں مرحمت فرمائے گئے، بورڈ کے وہ ملازمین جن کی نظروں سے مسائل کے حل کا ترخامہ ابھی تک نہیں گزرا اور جو اپنے آپ کو کم از کم ایک انکریمنٹ کا مستحق سمجھتے ہیں حیرت زدہ ہیں کہ ایک سال میں آٹھ انکریمنٹ حاصل کرنے والا کوئی انسان ہے یا فرشتہ،

۱۶ - عبدالعزیز، سینٹری انسپکٹر: یہ صاحب ڈیرہ اسمٰعیل خان کے رہنے والے ہیں، صاحب کی مہربانی سے سنٹری انسپکٹر سے ترقی کر کے اکاؤنٹنٹ بن گئے ہیں۔ اور ان دنوں ڈیرہ اسمٰعیل خان ہی میں بطور اکاؤنٹنٹ بورڈ میں کام کر رہے ہیں۔ یہ دنیا

پاکستان کی تمام کینٹونمنٹ بورڈوں کے پیچھے ایم ایس حسنین کا چہرہ جھلکتا ہے

کی شاید پہلی مثال ہے اور یہ ایسی ہی مثال ہے جیسے کسی قانون دان کو میڈیکل سپرنٹنڈنٹ بنا دیا جائے۔

۱۷۔ محمودہ خانم سوز: یہ محترمہ ۵۶/۵/۱۹۵۷ میں ۱۲۵-۱۰-۲۲۵ کے اسکیل میں سر سید گرلز پبلک اسکول راولپنڈی میں جونیئر ٹیچر کی حیثیت سے تعینات کی گئی تھیں، ۱۹۶۴ء میں جب اسکول کی پرنسپل مستعفی ہو کر چلی گئیں تو انہیں اسی اسکول کا پرنسپل بنا دیا گیا، اچانک زمین سے آسمان پر پہنچ گئیں، دلچسپ بات یہ ہے کہ نہ تو انہیں کسی سلیکشن کمیٹی نے پرنسپل بنایا ہے نہ ہی پرنسپل کی پوسٹ اخبارات میں مشتہر کی گئی نہ ہی کوئی اور محکمانہ کارروائی کی گئی، آفس آرڈر تک جاری نہیں ہوا لیکن اس کے باوجود انہیں پرنسپل بنا دیا گیا، پرنسپل بنائے جانے کے بعد جب وہ ۵۰۰/۔ روپے ماہوار تنخواہ لے رہی تھیں، اچانک ہی ان کی تنخواہ بشمول گذشتہ کئی سال کی ملازمت کے ۱۱۲۵/۔ روپے ماہوار کر دی گئی۔ اور سابقہ بقایا جات کے سلسلے میں اٹھارہ ہزار روپے مزید ادا کئے گئے اور کار الاؤنس کے طور پر ۳ ہزار روپے کے بقایا جات الگ ادا کئے گئے۔

۱۸۔ جن دنوں زندہ محمود راولپنڈی میں ایگزیکٹو تھے اپنے اسٹینو گرافر کے ساتھ ان کے بڑے مربیانہ اور مشفقانہ تعلقات تھے جب وہ ترقی کر کے جی ایچ کیو میں بطور ڈائریکٹر داخل ہوئے اپنے ساتھ اپنے اسٹینو گرافر کو بھی لے گئے۔ معاملہ رازداری کا تھا اور چونکہ اسٹینو گرافر ان کا قابل اعتماد رازدار تھا۔ اس لئے وہ اپنے ساتھ ہی لے گئے۔ بعد ازاں جب راولپنڈی بورڈ کے ایک ایگزیکٹو آفیسر مسٹر ایس ایم حسن کا تبادلہ ہوا اور ان کی جگہ مسٹر مسعود علی خان ایگزیکٹو آفیسر مقرر ہوئے تو چارج دینے اور چارج لینے کے عرصہ میں اتفاق سے اٹھارہ روز کا وقفہ آ گیا، مسٹر ایس ایم حسن کو پہلے جانا پڑ گیا جبکہ مسٹر مسعود علی خان اٹھارہ روز کی تاخیر سے چارج سنبھال پائے اس درمیانی وقفے کے لئے انور علی صادق مرحوم ایگزیکٹو آفیسر کی سیٹ پر کام کرتے رہے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بورڈ کے اسسٹنٹ سیکرٹری غلام ابراہیم نے زندہ محمود کی مرضی اور خوشنودی کے مطابق اسٹینو گرافر کو ترقی دلوانے کی کوشش شروع کر دی اور آفس سپرنٹنڈنٹ کی ایک خالی پوسٹ کے لئے اسٹینو گرافر کے نام کے ساتھ تعریفی سفارشات لکھ کر انور علی صادق مرحوم کے سامنے معاملہ پیش کر دیا، انور علی صادق نے آنکھیں بند کر کے سفارشات پر یقین کر لیا اور کسی قسم کی تحقیق کی ضرورت ہی نہ سمجھی، نہ ہی سینئر جونیئر کے جھمیلوں میں پڑے، قلم اٹھایا اور دستخط کر دیئے آفس سپرنٹنڈنٹ کے عہدے پر ترقی پانے کے باوجود اسٹینو گرافر صاحب زندہ محمود خان ہی کے ساتھ جی ایچ کیو میں سٹینو گرافری فرماتے رہے، ایک روز کے لئے بھی وہ اپنے لاٹری میں نکلے ہوئے دفتر میں نہ بیٹھے۔ وہ پہلی تاریخ کو تنخواہ لینے کے لئے بورڈ کے دفتر میں تشریف لاتے تھے یا کبھی کبھار کسی آفس آرڈر پر دستخط کرنے کی غرض سے آتے تھے ان صاحب کی تعیناتی ان ڈور سیٹ پر تھی۔ مگر انہیں ۸۵/۔ روپے ماہوار سواری الاؤنس باقاعدگی سے ادا کئے جاتے تھے۔ انہی اسٹینو گرافر صاحب کو بعد ازاں لینڈ سپرنٹنڈنٹ بنا دیا گیا اور اب حال ہی میں اسسٹنٹ سیکرٹری بنا کر کوئٹہ بھجوائے جانے والے ہیں، خیال کیا جاتا ہے کہ وہ کوئٹہ سے ایگزیکٹو آفیسر بن کر واپس تشریف لائیں گے، اسٹینو گرافری سے اسسٹنٹ سیکرٹری تک کا سفر کس طرح طے ہوتا ہے اس کی تفصیلات میں نہیں بتا سکتا، صرف ترقی کے نسخہ پر عمل کرنے ہی سے یہ تفصیلات معلوم ہو سکتی ہیں۔

۱۹۔ اب سنیئے قصہ محمد رزاق پٹواری کا۔ یہ صاحب چکری کے علاقے میں ملٹری لینڈ اینڈ کنٹونمنٹ کے سابق ڈائریکٹر زندہ خان کی زمینوں کے پٹواری تھے۔ بعد میں گرداور ہو گئے تھے۔ یہ صاحب اپنے ڈائریکٹر کی زمینوں کی بڑی دیکھ بھال

جب سی بی کالج میں

جب سی بی کالج

میں "پیرس کی شام"

اور "لندن کی صبح"

مہکتی تھی

کرتے تھے چنانچہ اسی دیکھ بھال کی خوشی کے نتیجے میں زندہ خان نے ان کے بھائی محمد آزاد کو بورڈ کی ٹیکس برانچ میں کلرک بھرتی کروا دیا، ۱۹۶۱ء سے ۱۹۶۸ء تک محمد آزاد باقاعدہ تنخواہ وصول کرتا رہا مگر ایک روز کے لئے بھی دفتر میں حاضر نہ ہوا، ۱۹۶۸ء میں ایگزیکٹو آفیسر مسعود علی خان نے یہ بدعنوانی پکڑ لی مگر نامعلوم وجوہات کی بنا پر یہ کیس داخل دفتر کر دیا گیا۔

۲۰۔ اب ایک اور کہانی سنئے اور سر دھنیئے کہ اس قوم، غریب قوم کے خون پسینے کی دولت کے ساتھ کیا کھیل کھیلا جا رہا ہے، اوپر محمودہ خانم سوز کے جس اسکول کا ذکر کیا گیا ہے اس میں بچوں کی آمد و رفت کے لئے ایک بس بھی تھی۔ یہ بس آگ لگنے سے تباہ ہو گئی تو اس کی تلافی کے لئے ایک پرانی بس دس ہزار روپے میں خریدی گئی، اس پرانی بس پر مزید چھ سات ہزار روپے صرف کئے گئے مگر یہ بس چار ماہ سے زیادہ نہ چل سکی اور چار ماہ بعد اس کو گیرج میں بند کر دیا گیا۔ بعد ازاں اسی شخص سے جس سے دس ہزار روپے میں بس خریدی گئی تھی۔ ایک اور بس ۸۵/۔ روپے یومیہ پر کرائے پر لے لی گئی، ۱۹۶۴ء سے ۱۹۶۹ء تک اس بس کا ۸۰ ہزار روپیہ کرایہ ادا کیا جا چکا ہے جبکہ اس رقم سے دو نئی بسیں خریدی جا سکتی تھیں۔

۲۱۔ سی بی پوسٹ گریجویٹ کالج کی کہانی بھی خاصی دلچسپ ہے۔ اس کی پرنسپل مسز سلمیٰ مسعود ہیں۔ کسی زمانے میں سی بی مڈل اسکول کی ہیڈ مسٹریس ہوا کرتی تھیں، تعلیمی قابلیت ایم اے اردو ہے۔ مگر دوسری صلاحیتیں تعلیمی اہلیت سے کچھ زیادہ ہی ہیں، جن کا مظاہرہ انہوں نے یوں کیا کہ سی بی مڈل اسکول کو سب سے پہلے میٹرک کا درجہ دلوایا۔ ۱۹۵۴ء کے اس کارنامے کے بعد بھی وہ نچلی نہ بیٹھیں، اپنا اسٹیٹس بنانے کے لئے انہوں نے ہائی اسکول کو انٹرمیڈیٹ کالج بنا کر دم لیا، مڈل اسکول تھوڑے ہی عرصے میں پوسٹ گریجویٹ کالج میں تبدیل ہو گیا اور یوں ایک ایم اے اردو خاتون جنہیں ابتدائی طور پر صرف مڈل اسکول کی ہیڈ مسٹریس کے طور پر منتخب کیا گیا تھا۔ پوسٹ گریجویٹ کالج کی پرنسپل بن گئیں۔ یہ سب کچھ کیونکر ہوا، کیسے ہوا، کس نے کیا، یہ ایک "...رہ کہانی ہے۔ مگر اس سے بھی زیادہ دلچسپ کہانی یہ ہے کہ ان محترمہ کو تمغۂ امتیاز بھی عطا کیا گیا ہے ایوب شاہی کے زمانے میں مسٹر اے آر خان وزارت دفاع کا قلمدان سنبھالے ہوئے تھے۔ محترمہ کے تعلیمی ادارے میں بڑی چہل پہل رہا کرتی تھی، ایوننگ ان پیرس اور مارننگ ان لندن سے زیادہ عمدہ مہکار ہوا کرتی تھی۔ ہر روز تقریب اور ہر شام جشن ہوا کرتے تھے، مزے کی بات یہ تھی کہ اس تمغے کے لئے کنٹر محکمانہ سفارش بھی نہ کی گئی تھی۔ اوپر ہی اوپر تمغہ مرحمت ہو گیا تھا، کہتے ہیں کہ خاتون کا اتنا رعب داب تھا۔ چھوٹے موٹے کسی افسر کو تو لفٹ ہی نہیں دیتی تھیں، ایک مرتبہ کالج میں کوئی آڈٹ پارٹی آئی ہوئی تھی۔ محترمہ کو آڈٹ پارٹی کا سلوک پسند نہ آیا۔ تو پوری کی پوری آڈٹ پارٹی کا ٹرانسفر کروا دیا تھا۔ کہتے ہیں اگر فیلڈ مارشل ایوب خان برسر اقتدار رہتے تو

مڈل اسکول کی ہیڈ مسٹریس، پوسٹ گریجوایٹ کالج کی پرنسپل کیسے بن گئیں؟

محترمہ سی بی پوسٹ گریجویٹ کالج کو سی بی یونیورسٹی بنوانے میں کامیاب ہوجاتیں اور یوں صرف ایم اے اردو کے ساتھ وہ بیٹھے بٹھائے اپنی بنائی ہوئی یونیورسٹی کی وائس چانسلر بن جاتیں مگر ایسا نہ ہو سکا، افسوس.....!

جہاں تک بورڈ کی عام ذمہ داریوں اور اس کی تعلیمی حدود کا تعلق ہے. سننے میں یہی آیا ہے کہ بورڈ کے ذمے زیادہ سے زیادہ پرائمری اسکولوں کا نظم ونسق ہے، مگر بورڈ کے حکام عوام کی فلاح وبہبود کے لئے پرائمری سے زیادہ ہی خدمت گزار واقع ہوئے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ جن اسکولوں کی بورڈ پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے وہاں چٹائی بھی نہیں ملتی بچوں کے لئے پانی کا کچا گھڑا بھی دکھائی نہیں دیتا. بورڈ کے حکام غالباً پرائمری اسکول کے ساتھ یہ سلوک اس لئے کرتے ہیں کہ ان اسکولوں میں کسی لے آر خان کی تشریف آوری نہیں ہوتی. یہاں کسی بڑے افسر کا بچہ نہیں پڑھتا، لال کرتیوں کے بچے پڑھتے ہیں، چھوٹی ذات اور گھٹیا معاش کے لوگوں کی اولاد پڑھتی ہے جو اپنے میلے کپڑوں کی مناسبت سے گندی اور پھٹی ہوئی چٹائیوں پر ہی بیٹھنے کے مستحق ہوتے ہیں.

۲۲- سی بی بوائے اسکول گوالمنڈی کے ہیڈ ماسٹر محمد احمد صاحب سب سے جونیئر تھے مگر انہیں سکول کا ہیڈ ماسٹر بنا دیا گیا. وجہ صرف یہ تھی کہ وہ زندہ محمود ڈائریکٹر ملٹری لینڈ اینڈ کنٹونمنٹ کے بچوں کو گھر پر پڑھانے آیا کرتے تھے.

۲۳- پنڈی کنٹونمنٹ کے تانگہ انسپکٹر نذیر کی کہانی بھی ایسی ہی دلچسپ ہے، ان کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ وہ بلاناغہ تانگہ انسپکٹری کے علاوہ زندہ محمود کی بھینسوں کا دودھ بھی دوہا کرتے تھے، چنانچہ اس خدمت کے صلے میں اس نے گوالمنڈی کے علاقے میں چودہ کنال زمین پر قبضہ جما لیا. قبضہ کچھ اس طرح جمایا کہ اب زمین کے گرد پختہ دیوار بھی تعمیر ہو چکی ہے کسی نے آج تک اس بارے میں توجہ نہیں فرمائی کہ یہ زمین جو پنڈی کی مہنگی زمینوں میں شمار ہوتی ہے اور عام نرخ کے مطابق ۲۵ ہزار روپے فی کنال کی اراضی ہے

کنٹونمنٹ بورڈ راولپنڈی کی طویل کہانی کا کچھ تھوڑا سا حصہ آپ نے ملاحظہ کر لیا ہے. اب اس کی روشنی میں آپ اپنے اس تصور کو ٹٹولیں جو آپ نے اس صاف ستھرے سرکاری ادارے کے بارے میں قائم کر رکھا تھا جو میونسپل کمیٹیوں ہی کی طرح عوام کے خون پسینے پر چلتا ہے.

تبادلوں کے ضمن میں مستقل تقرریوں کے جو اعداد وشمار دیئے گئے ہیں، ان کا یہ مطلب نہیں کہ پنڈی میں تبادلے صرف ہوتے ہی نہیں، مگر زیادہ تر ایسے افراد کے ہوتے ہیں. جن کی "ڈالیاں" کم وزنی ہوا کرتی تھیں، یا جو "ڈالیوں" کے فن سے آشنا نہ تھے. ڈاکٹر شہاب الدین اور ڈاکٹر رفعت سلطانہ کے تبادلے اس نوعیت کے تھے. چونکہ وہ ڈالیوں کے فن سے ناآشنا تھے، پنڈی میں رابطوں کی کمی کی وجہ سے پرائیویٹ پریکٹس نہ کر سکتے تھے اس لئے تبدیل کر دیئے گئے.

پاکستان بھر میں جتنے بھی کنٹونمنٹ بورڈ ہیں. اگر ان تمام کا تفصیلی جائزہ لیا جائے تو ہر بورڈ میں لاتعداد

اسکول کی بس کے کرایہ

پر اسّی ہزار روپے

خرچ ہوگئے

ایسے شاہکار نظر آئیں گے اور ان سب کی پشت پر مرکزی ڈائریکٹریٹ کے سلیکشن آفیسر مسٹر ایس ایم حسنین صاحب کا چمکتا دمکتا چہرہ نظر آئے گا. جن کے قبضہ قدرت میں تمام کنٹونمنٹ بورڈز کی جان ہے اور جو بورڈز کے تمام چھوٹے بڑے اداروں کے سیاہ وسفید کے مالک تصور کئے جاتے ہیں

ان کے فرمائے ہوئے احکامات کو مستند سمجھا جاتا ہے ان کے مارے ہوئے پانی نہیں مانگتے اور ان کے پالے ہوئے کسی کے مارے نہیں مرتے.

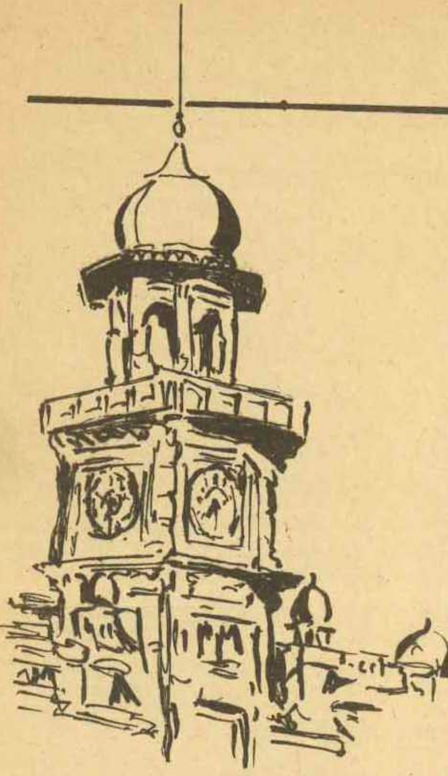
دنیا کی مفلس ترین قوم کے خون پسینے سے چلنے والے سینکڑوں قومی اداروں میں سے ایک ادارے کی یہ کہانی یہاں ختم نہیں ہوتی، یہ کہانی درد کی لہروں کی طرح طویل اور گندے خون سے زیادہ متعفن ہے اور ملک کے غریب عوام جب زندگی اور موت کے کسی مختصر وقفے میں سر نیوڑھا کر کچھ سوچنا چاہتے ہیں تو انہیں یہ خیال بری طرح ستاتا ہے کہ یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے. اس ملک کے غریب بھوکے رہے مگر انہوں نے اپنے حاکموں کو عمدہ خوراک کے وسائل فراہم کئے اس ملک کے عوام ننگے رہے مگر انہوں نے اپنے لاڈلوں کے لئے عمدہ اور نفیس پوشاکوں کا بندوبست کیا، خود دوا دارو سے محروم رہے مگر اپنے افسروں کو عالی شان ہسپتال بنا کر دیئے، خود تھڑوں اور فٹ پاتھوں پر سوئے مگر ان کے لئے ایئرکنڈیشنڈ بنگلے وقف کر دیئے مگر اس کے باوجود یہ لوگ اس غریب قوم کو کیوں نچوڑ رہے ہیں. یہ لوگ غریب عوام سے کس جرم کا بدلہ لے رہے ہیں کیا اس ملک کے مزدوروں اور کسانوں کے احسانات کا یہ فیصلہ ہونا چاہیئے. مختصر سے وقفے میں غریب کے ذہن میں پیدا ہونے والے ایسے لاتعداد سوال ابھرتے ہیں اور ڈوب جاتے ہیں. ابھرتے ہیں اور ڈوب جاتے ہیں.

"الفتح" اور آپ کی رائے

"الفتح" آپ کا اپنا پرچہ ہے اور ہم آپ کی رائے کو وقیع تر سمجھتے ہیں۔ اس پرچے کی افادیت میں ہم اور بھی اضافہ کر سکتے ہیں اگر آپ مشورہ دیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہم اپنے طور پر جو کوششیں کرتے ہیں اس کے متعلق آپ کی رائے بھی جان لیں۔ ہمارے ہاں جو مستقل سلسلے شروع ہیں اس کے بارے میں ہم جاننا چاہتے ہیں کہ انہیں جاری رکھا جائے یا ختم کر دیا جائے اور اگر جاری رکھا جائے تو ان میں کس قسم کے اضافے کی ضرورت ہے۔ آپ کو کونسا سلسلہ سب سے زیادہ پسند ہے؟ آپ مندرجہ ذیل موضوعات کے بارے میں اپنی رائے الگ کسی پرچے پر لکھ کر بھجوا دیں۔

۱- ظاہری خبریں اندرونی کہانیاں
۲- سنو آواز آ رہی ہے
۳- پردہ چاک
۴- سرمایہ دار معاشرے کا دوسرا رُخ
۵- ضیاء سرحدی کی یادداشتیں
۶- ہنزہ سے چاٹگام
۷ ۲۲ خاندان
۸- روزنامہ غالب سے روزنامہ جنگ تک





وائٹ پیپر

پنجاب یونیورسٹی کے آتش فشاں کے بارے میں

الفتح رپورٹ

پنجاب یونیورسٹی:۔ ایک آتش فشاں پہاڑ ہے۔ لاوا پک رہا ہے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کو اقتدار منتقل ہونے کی دیر ہے، ایک زبردست دھماکہ ہو گا۔ جماعت اسلامی نے اس درس گاہ کو اپنی طاقت کا گڑھ بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اس عرصہ میں یونیورسٹی کے وائس چانسلر علامہ علاؤالدین صدیقی نے انتہائی نیاز مندی سے اچھرہ کے ہیڈ کوارٹر سے جاری ہونے والے احکامات کی تعمیل کی ہے اور تمام مورچے سیٹ کر لئے ہیں۔ اب آخری حکم کا انتظار ہے۔

۷۰ء کے عام انتخابات سے پہلے جماعت اسلامی اور اس کے پٹھوؤں نے قبضہ کرنے کے جس منصوبے پر عمل شروع کیا تھا اس کا ایک حصہ تعلیمی ادارے بھی تھے۔ پہلا حملہ اسلامیہ کالج لاہور پر ہوا تھا یہ ادارہ انجمن حمایت اسلام کی نگرانی میں چلتا ہے اور اس کے امیر جماعت اسلامی کے ٹوڈی میاں امیرالدین (موصوف بازارِ حسن لاہور کے رؤسا میں سے ایک ہیں) ہیں۔ اسلامیہ کالج کے اساتذہ کی چھانٹی کے واقعہ کو دو دن ہوئے تھے کہ ویسٹ پاکستان کالج ٹیچرز ایسوسی ایشن کی جانب سے تقریباً پچیس اساتذہ نے علامہ علاؤالدین صدیقی سے مل کر درخواست کی کہ وہ اسلامیہ کالج کے اساتذہ کو معاشی قتل عام سے بچائیں۔ علامہ صاحب یہ سنتے ہی مراقبے میں چلے گئے۔ دونوں ہاتھوں سے اپنی آنکھوں پر زور دیا، چہرہ چھپایا اور پھر قدرے توقف سے بولے "میں خود اسلام پسند ہوں، کچھ نہیں کر سکتا۔ البتہ اسلام کے لئے جان دے دوں گا۔

علامہ علاؤالدین صدیقی کے یہ الفاظ ایک خاص ذہنیت کی عکاسی کرتے ہیں اس کا تعلق اسلام پسندوں سے ہے اور جنہیں اچھرہ کے وائٹ ہاؤس نے اپنے مخصوص مفادات کے لئے استعمال کیا۔ علامہ صاحب کا تعلق اس گروہ سے نہ ہوتا تو وہ اپنی تقرری کے فوری بعد ملنے والے وفد کو دوٹوک الفاظ میں مذکورہ جواب نہ دیتے۔ اس کے برعکس انہیں یہ علم تھا کہ یہ رویہ جماعت اسلامی پر ثابت کر دے گا کہ وہ اس کے وفادار ہیں اور ان کے ذمے جو کام سپرد کئے گئے ہیں، انہیں پایۂ تکمیل تک پہنچایا جائے گا۔

جماعت اسلامی نے یونیورسٹی کے اندر اور باہر دونوں محاذوں پر علامہ صاحب کو تکڑی ٹیم مہیا کی۔ کارروائی کے دوران رازداری ضرور برتی گئی مگر اس کا پول کھلتا رہا۔ سب سے پہلے جماعت نے نعیم صدیقی کی نگرانی میں "دارالفکر" کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔ اس ادارہ نے ڈاکٹر سید عبداللہ کی مالی ہوس سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ ادارے کے کرتا دھرتا اس امر سے بخوبی آگاہ تھے۔ کہ ڈاکٹر سید عبداللہ کی سب سے بڑی کمزوری مال ہے انہیں شاید یہ بھی علم تھا۔ کہ سید صاحب نے اورینٹل کالج کی پرنسپلی سے سبکدوش ہونے کے بعد واجبات کے طور پر یونیورسٹی سے ہزاروں روپے وصول کئے ہیں لیکن ان کا پیٹ نہیں بھرا اس کے لئے انہوں نے ایوب خان کے دورِ اقتدار کے مشہور زمانہ الطاف گوہر کو ایک درخواست لکھی جس میں لکھا تھا، روٹی تو کسی طور کما کھائے مچھندر"۔ الطاف گوہر مچھندر پالنے میں ایکسپرٹ تھے۔ لہٰذا نظر کرم ہوئی اور سبکدوشی کے بعد سید صاحب کا انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں وظیفہ لگ گیا۔

نعیم صدیقی نے پہلے تو سید صاحب کو پمفلٹ لکھنے کا ٹپ دیا اور پھر انہیں لائن پر لگا دیا کہ وہ پنجاب یونیورسٹی کو جماعت اسلامی کا اکھاڑہ بنائیں۔ ان کے معاملات میں وائس چانسلر ہرگز مداخلت نہیں کریں گے، بلکہ وہ اساتذہ جنہیں جماعت کا کاز آگے بڑھانے کے لئے شامل کیا جائے گا۔ انہیں بالواسطہ نوازا جائے گا۔

سید صاحب جوڑ توڑ کے پرانے ماہر ہیں۔ جو آدمی سید عبداللہ کو جانتا ہے، وہ ان کی اس مہارت سے انکار نہیں کر سکتا ڈاکٹر محمد باقر تو ایک عرصہ تک تختۂ مشق بنے رہے ہیں۔ سید صاحب نے پروفیسر حمید احمد خان کو بھی اپنے ہاتھ دکھانے شروع کئے تھے کہ خان صاحب نے انہیں واضح کر دیا اور سید صاحب کو مجبوراً پیچھے ہٹنا پڑا۔

سید صاحب نے اپنی نئی ذمہ داریاں پورا کرنے کے لئے اساتذہ کی ایک ٹیم بنائی۔ ان کے نام یہ ہیں۔

(۱) اسمٰعیل بھٹی (۲) ڈاکٹر وحید قریشی (۳) خالد علوی (۴) خواجہ غلام صادق (۵) خواجہ صلاح الدین

اچھرہ کی ہائی کمان نے اس ٹیم کی رہنمائی کے لئے ایک اور گروپ تشکیل کیا تھا۔ اس میں میاں امیرالدین (صدر انجمن حمایت اسلام) آغا شورش کاشمیری (مدیر چٹان) اور مجید نظامی (اس وقت مدیر نوائے ملت) شامل تھے۔ اس گروپ کا کام یونیورسٹی اور کالجوں سے اساتذہ کی تطہیر کے لئے منصوبہ بنانا تھا عوام دوست اساتذہ کو بدنام کرنے، اُن پر کیچڑ اچھالنے اور ان کے خلاف فضا ہموار کرنے کے لئے مقبوضہ اخبارات کو استعمال کیا گیا اور اندرونی طور پر سید اینڈ کمپنی کو توڑ پھوڑ کے لئے مامور کر دیا گیا۔

مقبوضہ اخبارات نے جو مہم چلائی، اس کا اعادہ ضروری نہیں تاہم سید عبداللہ کی قیادت میں جو سازشیں ہوئیں، وہ ابھی تک پوشیدہ ہیں۔ اور ان کا ذکر اس لئے ضروری ہے کہ عوام

علّامہ علاؤالدین صدّیقی کی وائس چانسلری اچھرہ کے سہارے قائم ہے

کو صحیح صورت حال کا پتہ چل سکے۔

سیّد عبداللہ نے عوام دوست اساتذہ کو برطرف کروانے کے لئے جماعت کی اسکیم پر عمل درآمد بالکل چوروں کے سے انداز میں کیا۔ پہلے پہل انجمن حمایت اسلام کے صدر میاں امیرالدین سے خفیہ ملاقاتیں کیں۔ طے پایا کہ پہلا وار اسلامیہ کالج کے اساتذہ پر کیا جائے۔ اس ادارے میں اسلام کے نام پر کوئی بھی کارروائی آسانی سے کی جاسکتی ہے۔ اور خاص طور پر جبکہ میاں امیرالدین کی سرپرستی حاصل ہو۔

اس کے پہلے مرحلے کا آغاز ستمبر ۱۹۶۹ء میں یوم اقبال کی تقریب سے ہوا یہ اجلاس میاں امیرالدین کی صدارت میں منعقد ہوا۔ سیّد عبداللہ نے اس موقع پر اظہار خیال فرمایا۔ "انجمن حمایت اسلام دہریوں اور کمیونسٹوں کی سرپرستی کر رہی ہے، وہ سانپوں کو پال رہی ہے"۔ میاں صاحب کو اس کا پہلے سے علم تھا۔ انہوں نے بھرپور یقین دلایا کہ دہریوں اور کمیونسٹوں سے اسلامیہ کالج کو پاک کر دیا جائے گا۔ ندائے ملت اور چٹان نے طوفان سر پر اٹھا لیا۔ اور اس طرح انجمن حمایت اسلام نے ملک کے نامور ماہر تعلیم اور عظیم استاد پروفیسر ایرک سپرین سے استعفٰے لے لیا۔ صدر شعبۂ نفسیات جناب منظور احمد اور شعبۂ انگریزی کے استاد جناب ابن معل برطرف کر دیئے گئے۔ اس عرصے میں جماعت اسلامی کی ذیلی تنظیم اسلامی جمعیت طلباء اور جماعت اسلامی کے خودساختہ رہنماؤں نے دائیں بازو کی دوسری کاغذی تنظیموں کو ساتھ ملایا اور اپنی اس کامیابی پر آسمان سر پر اٹھا لیا۔

اس کے بعد پنجاب یونیورسٹی کی باری تھی۔ ویسٹ پاکستان کالج ٹیچرز ایسوسی ایشن نے محسوس کر لیا تھا کہ خطرے کی گھنٹیاں بج رہی ہیں، جماعت اسلامی نے اپنے تنخواہ دار ایجنٹ اور اشاعت تعلیم کالج کے پرنسپل عثمان غنی کے ذریعے ایک متوازی انجمن تنظیم اساتذہ پاکستان قائم کر دی تھی، ان کے نائب اسلامی جمعیت طلباء کے سابق ناظم حافظ وحیداللہ تھے۔ پنجاب یونیورسٹی اکیڈمک اسٹاف ایسوسی ایشن کے انتخابات ہونے والے تھے۔ جماعتیوں نے بھرپور انداز میں کفر و اسلام کے معرکہ کو گرم کیا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ اسلامی جمعیت طلباء نے ان اساتذہ کی کھلم کھلا پگڑیاں اچھالنا شروع کر دیں، جو یونیورسٹی میں جماعت اسلامی کی دہشت گردی کے مخالف تھے، اور وائس چانسلر پر زور دے رہے تھے کہ یونیورسٹی میں غنڈہ گردی کا تدارک کریں وائس چانسلر بظاہر غیر جانبداری کا اعلان فرماتے رہے۔ مگر اندرون خانہ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی سے زیادہ جماعت اسلامی کے وفادار ثابت ہوئے۔

ان حالات میں اکیڈمک اسٹاف ایسوسی ایشن کے انتخابات کے انعقاد کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے، پروگرام یہ تھا۔ کہ جماعتیئے جیت گئے تو یونیورسٹی سے بھی اساتذہ کو اسلامیہ کالج کی طرح سے نکال دیا جائے اور ان کی جگہ جماعتیوں کی بھرتی کر لی جائے۔ یونیورسٹی کے اساتذہ کے مستقبل کا تمام تر دارومدار اکیڈمک اسٹاف ایسوسی ایشن کے انتخابات کے نتائج پر تھا۔

جماعت اسلامی کی ذیلی تنظیم "تنظیم اساتذہ پاکستان" نے اپنے صدارتی امیدوار کی حیثیت سے کیمیکل ٹیکنالوجی کے صدر خواجہ صلاح الدین (انہیں یونیورسٹی کے خان عبدالقیوم خان کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے) اٹھے۔ جماعت کے پروپیگنڈے کی روشنی میں ان کے مخالف "کافر" تھے اور ان کے صدارتی امیدوار اورینٹل کالج کے پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر تھے۔ نتائج کا اعلان ہوا تو خواجہ صلاح الدین کو عبرتناک شکست ہوئی، ان کے پینل کے دو امیدواروں کے علاوہ باقی تمام ہار گئے۔ اس کے برعکس عوام دوست اساتذہ کے صدر، سیکرٹری، نائب صدر کے علاوہ سترہ امیدوار جیت گئے۔ جماعت اسلامی کے اوسان خطا ہو گئے۔

اکیڈمک اسٹاف ایسوسی ایشن کے انتخابات میں عوام دوست اساتذہ کی جیت کی وجہ سے مجوزہ منصوبے کے تحت برطرفیاں عمل میں نہ آسکیں۔ تاہم یونیورسٹی اسٹوڈنٹس یونین کے انتخابات کے لئے تیاریاں شروع کر دی گئیں۔ ڈاکٹر سید عبداللہ

ڈاکٹر سیّد عبداللہ کے گھر پر سازشوں کے خفیہ منصوبے تیّار ہوتے ہیں

کے گھر پر خفیہ اجلاس ہوتے، ان میں ڈاکٹر وحید قریشی، اسمٰعیل بھٹی، خالد علوی اور خواجہ غلام صادق شریک ہوتے، خواجہ صلاح الدین کا رابطہ شورش کاشمیری اور جماعت اسلامی سے براہ راست تھا۔ لہٰذا وہ اکثر و بیشتر ان میٹنگوں سے غیر حاضر رہ کر سیّد عبداللہ کے گھر پر ہونے والے اجلاس کے فیصلوں اور جماعت اسلامی کی پالیسیوں کو عملی جامہ پہناتے

یونیورسٹی اسٹوڈنٹس یونین کے بارے میں فیصلہ ہو چکا تھا۔ کہ اس پر جائز و ناجائز ذرائع سے قبضہ کر لیا جائے۔ خواجہ غلام صادق اسٹوڈنٹس افیئرز ڈیپارٹمنٹ کے ڈائریکٹر تھے اس لئے اس فیصلے پر عمل درآمد مشکل نہ تھا۔ تاہم فضا ہموار کرنے کے لئے جامع منصوبہ بندی سے کام لیا گیا۔ خالد علوی جو کہ یونیورسٹی کے شعبۂ اسلامیات میں لیکچرار ہیں، انہیں یونیورسٹی کی مسجد میں جمعہ کے خطبے دینے پر مقرر کیا گیا۔

خالد علوی کی ذات لاہور والوں کے لئے کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ یہ حضرت اپنے فن میں خاصے ماہر ہیں، پیشہ ور مولوی رہ چکے ہیں اور لاہور کے شیعہ سُنی فسادات میں ان کے نام نامی کو خاصی شہرت ملی۔ جماعت کو ان کی خدمات مل چکی تھیں یونیورسٹی کی مسجد میں خطبے کا مقصد ان کی شرانگیز تقریروں کے لئے گنجائش پیدا کرنا تھا۔

جن طلبا اور شہریوں نے یونیورسٹی کی مسجد میں خالد علوی کے خطبے سنے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ موصوف عوام دوست طاقتوں کے خلاف یونیورسٹی کی تعلیمی فضاء میں جو زہر پھیلایا۔ اُس سے فریقین میں کشیدگی پھیلی، وہ تقریروں تک ہی محدود نہ رہے بلکہ اسلامی جمعیت طلبا کے ایک رکن عبدالمالک کی ہلاکت کے پمفلٹ تقسیم کروائے اور جمعیت کے صدارتی امیدوار حافظ ادریس سے مسجد میں خطبہ پڑھوایا۔

یہ تو یونیورسٹی کی مسجد کا حال تھا۔ اسلامی جمعیت نے سیرت النبی کے اجلاس کی آڑ میں پی ڈی پی کے سیکرٹری جنرل سرفراز اور اُس وقت دائیں بازو کے ٹوڈی ڈاکٹر جاوید اقبال کو انتخابی مہم کے لئے استعمال کیا۔ یونیورسٹی کے خان عبدالقیوم خان یعنی خواجہ صلاح الدین کا شعبہ کیمیکل ٹیکنالوجی شورش کاشمیری کا اڈہ بنا ہوا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ خواجہ صاحب اور آغا شورش کاشمیری کے تعلقات بہت پرانے ہیں۔ اور چونکہ خصائل میں بھی مماثلت ہے لہٰذا شورش کاشمیری اور خواجہ صاحب میں ان دنوں خوب چھنی۔ ایک بار شورش کاشمیری کیمیکل ٹیکنالوجی میں داخل ہوئے تو بائیں بازو کے طلبا کو خبر ہو گئی۔ اس ملاقات کے دوران تنہائی میں شورش اور خواجہ صاحب کی صحبت خاصی دیر تک رہی۔ لیکن جونہی شورش گھبراہٹ کے عالم میں خواجہ کے کمرے سے باہر نکلے تو ایک طالب علم نے شورش کے منہ پر تھوک دیا۔ اس پر کیمیکل ٹیکنالوجی میں کہرام مچ گیا۔ خواجہ صلاح الدین نے جمعیت کے مخالف طلبا کے خلاف انتقامی کارروائیاں شروع کر دیں۔

الیکشن کے دوران جمعیت کی پبلسٹی کے لئے شعبہ اور طلباء کی گاڑیاں استعمال کی گئیں اور خواجہ غلام صادق نے کھلم کھلا جانبداری کا مظاہرہ کیا اس کے باوجود انہیں یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ جمعیت کے امیدوار کے مقابلہ میں طلباء کے متحدہ محاذ کے امیدوار جہانگیر بدر کا پلڑا بھاری ہے خواجہ

غلام صادق نے انتہائی چالاکی سے کام لیا۔ اور بیلٹ پیپر میں سیکرٹری شپ کے ایک امیدوار جمیل اختر کا نام چھپنے نہیں دیا یہ ایک قانونی غلطی دانستہ طور پر کی گئی کہ بائیں بازو کے امیدوار دھاندلیوں کے باوجود جیت جائیں تو الیکشن دوبارہ کرا کے جمعیت کے امیدواروں کو کامیاب کرا دیا جائے۔

الیکشن کے روز اچھرہ کے وائٹ ہاؤس کی ہدایت پر مختلف محاذوں پر اساتذہ کے اسی گروہ نے کام دکھایا جو جمیعت کے امیدوار حافظ ادریس کا حامی تھا۔ لاء کالج کا مورچہ امتیاز علی شیخ کے سپرد تھا۔ شیخ صاحب کی جانبداری کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے کالج سے جہانگیر بدر کے پولنگ ایجنٹ کو باہر نکال دیا۔ ہیلی کالج کے پرنسپل نے بھی اپنا فرض پورا کیا۔ اور جہانگیر بدر کے اڑھائی تین سو ووٹ منسوخ کرا دیئے۔

سب سے بڑی بات یہ ہوئی کہ یونیورسٹی کی انتظامیہ نے جب یہ دیکھا کہ تمام دھاندلیوں کے باوجود حافظ ادریس کی شکست یقینی ہے تو آئی آر (انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن ریسرچ) کے پانچ سو طلبا ران میں اکثر کی عمر چالیس سال سے زیادہ ہے) کے ووٹ ڈالو دیئے۔ انہوں نے یونین فیس تک جمع نہیں کرائی تھی۔

ووٹنگ کی شماری کے وقت بھی جہانگیر بدر کے تقریباً اڑھائی سو ووٹ منسوخ قرار دے دیئے گئے۔ نتیجے کا اعلان ہوا تو حافظ ادریس یونین کے صدر منتخب ہو چکے تھے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ جہانگیر بدر کے حامیوں نے خواجہ غلام صادق کی توجہ اس جانب مبذول کرائی۔ لیکن انہوں نے سنی ان سنی کر دی

وائس چانسلر نے محسوس کیا کہ یہ دھاندلی چھپ نہیں سکتی، ایک تو سیکرٹری شپ کے امیدوار جمیل اختر کے نام شائع نہ ہونے سے مخالفین کو قانونی طور پر حق مل گیا ہے کہ وہ انصاف کے لئے عدلیہ سے رجوع کریں۔ جہاں اس ثبوت کی روشنی میں سو فیصد کامیابی حاصل ہو گی، دوسرے معاملہ ٹھنڈا کرنے کے لئے دوبارہ سیکرٹری شپ کے الیکشن کروا دیئے جائیں۔ یہ فیصلہ طلبا کو منظور نہ تھا۔ ان کا مطالبہ تھا۔ کہ ٹریبونل قائم کیا جائے انہوں نے بذریعہ تار وائس چانسلر اور متعلقہ ارباب اختیار پر واضح کر دیا۔ کہ اس طرح دوبارہ انتخابات ہوئے تو مکمل طور پر بائیکاٹ کیا جائے گا، ایسا ہی ہوا، الیکشن کے روز طلبا نے ۴۴ پولنگ اسٹیشنوں میں سے ۳۲ کے بیلٹ بکس توڑ ڈالے اور بالآخر وائس چانسلر کو ٹریبونل مقرر کرنا پڑا۔

ٹریبونل کے قیام سے جمیعت اور اس کے سرپرست اساتذہ کا پول کھلتا تھا۔ ۳۰ جنوری ۱۹۷۰ء کو اسلامی جمیعت طلبا کے کارکنوں نے وائس چانسلر کے مکان پر ہلہ بول دیا۔ وائس چانسلر سے اخبارات کے دفاتر میں زبردستی فون کرایا کہ انہوں نے ٹریبونل توڑ دیا ہے۔ اگلے روز وائس چانسلر علامہ علاؤالدین صدیقی نے رات کو سنڈیکیٹ کا اجلاس طلب کیا

سنڈیکیٹ کا فیصلہ ملاحظہ فرمائیے کہ اس نے حملہ آوروں کو کیفر کردار تک پہنچانے کی بجائے طلبار کے متحدہ محاذ کے نمایاں کارکنوں کو رگڑ دیا۔ یونیورسٹی سے جہاں اسلامی جمیعت طلبا کے رہنماؤں کو خارج کیا گیا۔ ان سے دگنی تعداد میں مخالفین کو سزا بھگتنا پڑی۔

اس کے بعد گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہوا تو ڈاکٹر افضل، ڈاکٹر غلام جیلانی، ڈاکٹر عبدالسلام خورشید، خواجہ غلام صادق اور ہیلی کالج کے پرنسپل مسٹر مرتضٰے نے بائیں بازو کے طلبا کے بارے میں تفصیلی رپورٹیں مہیا کیں۔ جو ان کی گرفتاریوں کا باعث بنیں، بائیں بازو کے متحدہ محاذ کے جن طلبا کو پابند سلاسل کیا گیا۔ ان میں جہانگیر بدر، امتیاز عالم، خواجہ خاور محمود، جمیل اختر، اور عبدالحئی بھی شامل تھے۔ اسلامی جمعیت کے گرفتار شدگان میں، حفیظ خان، افتخار فیروز، حافظ ادریس اور اشفاق احمد تھے۔

"اسلام پسند" حفیظ خان کے کمرے سے لڑکی بہت گھبرائی ہوئی نکلی

اس المیہ کا اختتام یہیں نہیں ہوتا بلکہ اسلامی جمیعت طلبا کے مخالفین میں سے جو طلبا گرفتار نہ ہو پائے تھے ان کے خلاف یونیورسٹی کی سطح پر اوچھے ہتھکنڈے استعمال کئے گئے۔ طلبا کو ہراساں اور خوفزدہ کرنے کے واقعات تو عام ہوتے رہتے تھے۔ لیکن بعض جماعتیے اساتذہ ان کے مستقبل کو تباہ کرنے کی دھمکیاں دیتے رہے اور انتہائی ڈھٹائی کے ساتھ طلبا کو انتقامی کارروائیوں کا نشانہ بناتے رہے

آپ نے اساتذہ کی جانبداری ملاحظہ فرمائی۔ ان کے مزید کارنامے یہ ہیں کہ جیالوجی کے شعبہ میں ایک مذاکرہ منعقد ہوا۔ موضوع تھا "جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہ ہو روزی" پروفیسر ایرک سپرین مہمان خصوصی تھے۔ منتظمین اس شعبے کی نمائندہ کونسل تھی اور موضوع کا انتخاب کونسل کے ایڈوائزر پروفیسر نواز کی منظوری سے ہوا،

جماعتیوں کی یہ پرانی عادت ہے کہ وہ مزدور کسان کے بارے میں بات کرنے والوں کو لادین اور کافر کے خطابات سے نوازتے ہیں، بھلا، یونیورسٹی کی چار دیواری میں اس پر مذاکرہ کیسے ہو سکتا تھا۔ اچھرہ کے وائٹ ہاؤس نے خالد علوی سے پوچھا تو جواب ملا کہ پلانر محمد سلیم شعبۂ کیمیا سے بازپرس کی جائے۔ جیالوجی سرخوں کا گڑھ ہے۔ محمد سلیم صاحب نے کیا جواب دیا، اس کا ہمیں علم نہیں تاہم مذاکرہ شروع ہوا تھا کہ جماعت کے مسلح غنڈوں نے حملہ کر دیا۔ بہت سے طلبا زخمی ہوئے وائس چانسلر نے ایک کمیٹی بنا ڈالی۔ اس کا نتیجہ صفر نکلا۔ حملہ آور این ایس ایف یا این ایس او کے ہوتے تو انہیں یونیورسٹی سے نہ صرف خارج کر دیا جاتا بلکہ نوبت مارشل لاء حکام تک پہنچتی۔

علامہ علاؤالدین صدیقی کی انتظامیہ اس المناک اور افسوسناک واقعہ پر بھی اسلامی جمیعت طلبا کا بال بیکا نہ کر سکی۔ جس کا تعلق ایک طالبہ کے مشہور اسکینڈل سے ہے جو یونین کے صدر حفیظ خان کے کمرے سے برآمد ہوئی اور جسے حفیظ خان کے دوست کے ساتھ نشاندہی کرنے والے طالب علم انور چوہدری کے علاوہ جناب نیاز بٹ، جناب مجیب اے شیخ اور ہوسٹل نمبر ۱ کے وارڈن اور صدر شعبہ باٹنی پروفیسر شبیر احمد لودھی نے برآمدگی کے وقت دیکھا۔

ہوا یوں کہ حفیظ خان کا کمرہ ان حرکتوں کی باعث خاصا بدنام ہو چکا تھا۔ بائیں بازو کے طلبا نے بارہا شکایت کی لیکن کسی کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ بالآخر وقوعہ کے روز ایک طالب علم مسٹر انور چوہدری نے لڑکی کے اندر داخل ہونے کے تھوڑی دیر بعد کمرے کے باہر کی کنڈی لگا دی۔ اس نے ثبوت پیش کرنے کے لئے مذکورہ اساتذہ سے رابطہ قائم کیا۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے تمام منظر دیکھا کہا جاتا ہے کہ حفیظ خان دوسرے دروازے سے باہر نکل گئے تاہم ان کا دوست اور لڑکی بھاگ نہ سکے

اس عالم میں لڑکی سخت گھبرائی ہوئی تھی۔ حفیظ خان کے دوست کے بھی اوسان خطا ہو چکے تھے۔ دونوں نے اپنے آپ کو ایک دوسرے کا رشتے دار بھی بتایا اور لڑکے نے بوکھلاہٹ میں ایک بار یہ بھی کہا "یہ حفیظ خان کی عزیزہ ہیں انہیں ملنے آئی تھیں"

اس واقعہ سے یونیورسٹی کی فضا میں اشتعال پھیل گیا اسلامی جمیعت کے مخالفین نے بھرپور غم و غصے کا اظہار کیا زبردست احتجاج ہوا، وائس چانسلر نے کمیٹی قائم کر دی، مارشل لاء حکام بھی پہنچ گئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یونیورسٹی کی انتظامیہ نے حفیظ خان سے کمرہ تک خالی نہیں کروایا بلکہ انہیں تمام سہولتیں حسب سابق میسر رہیں۔



شورش اور مجید نظامی نے فسادات کے لئے اپنی خدمات پیش کر دیں

اس سانحے سے جمعیت کا پردہ چاک ہو چکا تھا نام نہاد اسلام پسندوں کی قلعی کھل گئی تھی. یونیورسٹی اور طالب علم برادری میں ان کے پرخچے اڑ چکے تھے. خواجہ غلام صادق جیسے سرپرستوں کی ہوائیاں اُڑ رہی تھیں، پروفیسر محمد سلیم سر پکڑ کر بیٹھ گئے تھے. خالد علوی چوروں کی طرح چھپ رہے تھے. اچھرہ لرز اُٹھا تھا. اسلامی جمیعت کو منہ چھپانے کے لئے کوئی جگہ نہیں مل رہی تھی. چاروں طرف ایک ہی آواز تھی "یہ اسلام پسندوں کے کرتوت ہیں"، "پرچار اسلام کا کرتوت اُس بازار کے"۔

اس کے بعد جماعتیے تاڑ میں رہے کہ وہ بائیں بازو کے طلبا کو بدنام کرنے کی سبیل نکالیں. کینیرڈ کالج فار گرلز میں شاہد محمود ندیم کا ایک ڈرامہ اسٹیج ہو رہا تھا. یونیورسٹی کی چند طالبات نے ان سے فرمائش کی کہ وہ اس ڈرامے کے پاس ہوسٹل بھجوا دیں، دو طالب علم شجاع الحسن اور منظور اعجاز پاس لے کر گارڈن ٹاؤن ہوسٹل پہنچے. ان میں منظور اعجاز معذور ہیں اور بیساکھی کا سہارا لے کر چلتے ہیں.

دونوں طلبا نے چوکیدار کو بتایا کہ وہ پاس دینے آئے ہیں مسٹر منظور اعجاز کی شناخت کے لئے ان کا معذور ہونا ہی کافی ہے اور ویسے بھی وہ بائیں بازو کے طلبا کی تحریکوں میں خاصے سرگرم رہے ہیں، انہیں دیکھتے ہی جمیعت کی حامی لڑکیوں نے شور مچانا شروع کر دیا کہ یہ حملہ آور ہیں اس واقعہ پر وائس چانسلر نے ایک کمیٹی بنا دی. اس کے فاضل ارکان میں ڈاکٹر وحید قریشی (ان کا ذکر اورینٹل کالج کے باب میں تفصیلاً آئے گا) کرنل کے. یو. قریشی، ڈاکٹر عبادت بریلوی اور پروفیسر شبیر احمد لودھی شامل تھے. کمیٹی نے ان پر پچاس اور بیس روپے جرمانہ کیا. اور پھر مارشل لا کے تحت گرفتار کر لئے گئے.

ملاحظہ فرمائیے، تصویر کے دونوں رُخ. اسے جانبداری نہیں تو کیا کہا جا سکتا ہے. حقیقت یہ ہے کہ جماعت اسلامی کے تنخواہ دار ایجنٹوں نے محب وطن طلبا اور اساتذہ کے لئے پنجاب یونیورسٹی کو اذیت خانہ بنا دیا ہے. ان کا حکم چلتا ہے اور وائس چانسلر اس کی تعمیل میں خوشی محسوس کرتے ہیں.

علامہ علاؤالدین صدیقی خود بتائیں کہ وہ کون سی وجوہات تھیں جن کی بنا پر یونیورسٹی کے مجلہ "محور" کی تقسیم پر پابندی عائد کر دی گئی تھی. کیا یہ حقیقت نہیں کہ "محور" طلبا تک اس لئے نہیں پہنچنے دیا گیا کہ اس میں پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی تقریر کا اقتباس "ارشادات عالیہ" کے باب میں شاعر مشرق، قائد اعظم، مادر ملت، سہروردی اور صدر پاکستان کے ساتھ شامل کر لیا گیا تھا مودودیوں کو اس کا علم ہوا کہ ان کے بابا ابوالاعلیٰ مودودی کا فرمان شامل اشاعت نہیں تو "محور" کی تقسیم روک دی گئی.

کیا یہ درست نہیں کہ "محور" دسمبر ۷۰ کے عام انتخابات میں عوام کے فیصلے کی تائید کر رہا تھا. اس کی مجلس ادارت نے وہ فیصلہ ماننے سے انکار کر دیا. جو عوام کی جانب سے ٹھکرائے ہوئے نام نہاد رہنماؤں کی تقلید پر نہ صرف مجبور کرتا ہے بلکہ ان کی حکمرانی کے لئے قوم کے خون سے جواز تلاش کیا جاتا ہے

یہ نہیں تو کون سی بات تھی جس کی وجہ سے "محور" ایک خاص مدت تک طلبا تک نہیں پہنچا. علامہ صاحب اور خواجہ غلام صادق کو کون سی ہدایت مجبور کر رہی تھی کہ وہ اپنے گھر میں تو اجمل نیازی کے موقف کی حمایت کرتے اور شعبہ امور طلبا مسلسل ایک ذو معنی مجبور اور مصلحت سے کام لیتا رہا.

ہمیں علم ہے کہ "محور" کی تقسیم زبردستی رکوائی گئی.

اس پر سرخوں کی چھاپ لگائی گئی اور سرخ چھپائی سے اظہار نفرت کیا گیا. مسٹر بھٹو کے ساتھ مودودی کو شامل کرنے کی سازش ہوتی رہی، علامہ صاحب اور خواجہ صاحب کو شاید یہ خوش فہمی ہو گی. کہ پنجاب میں جماعت اسلامی

جماعت اسلامی

ڈاکٹر وحید قریشی

میں ہوا بھر رہی ہے

ہارنے کے باوجود وزارت تعلیم پر قابض ہو جائے گی.

تعلیمی ماحول سے ہٹ کر یونیورسٹی کے انتظامی ڈھانچے کا تجزیہ کیا جائے تو یہاں بھی آپ کو جماعت اسلامی کے ایجنٹ نظر آئیں گے.

اس یونیورسٹی کے رجسٹرار مسٹر شمشاد حیدر ہیں. لاہور کے عطائی ڈاکٹروں نے ان کے سرٹیفکیٹ بڑے بڑے بورڈوں پر لکھوا کر لگوائے ہوئے ہیں. ویسے ہی ٹری شئے ہیں. جب پنجاب یونیورسٹی کے خازن تھے تو انہیں یونیورسٹی نیو کیمپس کے غبن کیس میں مرکزی شہرت ملی، اس کیس کا کیا ہوا، اس کے بارے میں اب ڈھونڈھے سے پتہ نہیں چلتا. یونیورسٹی کے کھوجیوں کا کہنا ہے کہ فائلیں ہی غائب ہو چکی ہیں اب مقدمہ کس پر چلے گا. سب فٹ ہو چکا ہے شمشاد صاحب کو خازن سے راجسٹرار کے عہدے پر ترقی بھی مل گئی ہے اور وہ دن دور نہیں کہ انہیں یونیورسٹی کا وائس چانسلر بنا دیا جائے

وائس چانسلری موصوف کی بہت پرانی کمزوری ہے جیسا بشیر صاحب رجسٹرار تھے

پروفیسر حمید احمد خان وائس چانسلر تھے تو اسی زمانے سے ان پر یہ بھوت سوار تھا، بشیر صاحب بھی ہاتھ پاؤں مار رہے تھے. اور حکومت کی اس پالیسی کی شدید مخالفت ہوئی کہ وائس چانسلر کے عہدے پر براہ راست تقرر ہوتا ہے. حالانکہ یہ عہدہ انتظامی حیثیت رکھتا ہے. لہٰذا یونیورسٹی کی انتظامیہ میں سے ہی سینئر افسر کو وائس چانسلر بنا دیا جائے

اس مطالبے کو تقویت پہنچانے کے لئے وائس چانسلر کو سازشوں کا نشانہ بنایا جاتا. پروفیسر حمید احمد خان کا گھیراؤ اس طرح کیا کہ بارہ تیرہ کمیٹیاں بنا دیں ہر کمیٹی کا نگران وائس چانسلر ہوتا تھا. خان صاحب دفتر پہنچتے تو ان کی میز فائلوں کے بوجھ تلے دبی ہوتی. سینکڑوں فائلوں کے انبار کی جانچ پڑتال خاصا مشکل کام تھا. اس طرح وائس چانسلر دستخط کرنے والی مشین بن کر رہ گئے.

وائس چانسلر کی اس مصروفیت سے ہر کسی نے اپنی جگہ پر فائدہ اُٹھایا، اغلباً نیو کیمپس پراجیکٹ میں لاکھوں روپے کے غبن کی دلیرانہ واردات اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی

رجسٹراروں کے ہر دور میں ۲۲ خاندانوں میں سے کسی ایک سے اچھے تعلقات رہے ہیں یہاں بشیر صاحب کے تعلقات سہگلوں سے قریبی تھے. وہ سبکدوش ہوتے ہی سہگل فاؤنڈیشن کے سیکرٹری مقرر ہو گئے. مسٹر شمشاد حیدر نعیرائے شیخ کے مفادات کی نگرانی کرتے ہیں. سرمایہ دار چاہے کسی بھی عقیدے سے تعلق کیوں نہ رکھتا ہو. جماعت اسلامی ان سب کی نمائندگی کرتی ہے. پنجاب یونیورسٹی کے رجسٹرار نے بھی اپنے آقاؤں کو خوش رکھنے کے لئے ڈاکٹر وحید قریشی پر کرمفرمائی کی.

کرم نوازی یہ ہوئی کہ پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج سے پروفیسر سید وقار عظیم کے سبکدوش ہونے کے بعد شعبۂ اردو میں ایک پروفیسر کی آسامی خالی ہو گئی تھی. یہ آسامی پروفیسر حمید احمد خان کے دور وائس چانسلری میں

ڈاکٹر عبدالسلام خورشید کے شاگرد امریکہ کے گن گاتے ہیں

قائم ہوئی تھی، اور اس کا مقصد پروفیسر وقار کی پنجاب یونیورسٹی کی خدمات کا اعتراف کرنا تھا۔ حالانکہ اس سے پہلے اس شعبے میں پروفیسر کی صرف ایک آسامی تھی اور وقار صاحب کے ریٹائر ہونے کے بعد اس کی ضرورت بھی نہ رہی تھی۔

اس کے لئے ڈاکٹر وحید قریشی نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ اصول یہ ہے کہ کسی شعبے میں کوئی جگہ پُر کرنا ہو تو صدر شعبہ رجسٹرار کو لکھتا ہے یا رجسٹرار صدر شعبہ سے مشورہ طلب کرتا ہے۔ اسے کیا کہئے کہ رجسٹرار شمشاد حیدر نے صدر شعبہ کو اطلاع کئے بغیر اخبارات میں اشتہار دے دیا اور اردو پروفیسر شپ کے لئے درخواستیں طلب کرلیں، ڈاکٹر عبادت بریلوی نے اس بارے میں یونیورسٹی کو آگاہ بھی کیا کہ اس شعبے میں پروفیسر کی ضرورت نہیں تاہم پہلے سے موجود لیکچراروں کو مستقل کر دیا جائے اور طلبا کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر مزید اساتذہ رکھنے کی اجازت دی جائے۔ رجسٹرار صاحب نے اس کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ اور اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کیا

ڈاکٹر وحید قریشی جانے پہچانے جماعتیے ہیں۔ ان کا شمار ڈاکٹر سید عبداللہ کے قریبی معتمدین میں ہوتا ہے سید صاحب اور جماعت اسلامی کا خیال یہ ہے کہ وحید قریشی کسی طور پر پروفیسر بن جائیں۔ اس سینارٹی کے دو فائدے ہوں گے ایک تو ڈاکٹر عبادت بریلوی کی جگہ وحید قریشی صدر شعبہ اردو اور پھر پرنسپل بن جائیں گے، دوسرے یونیورسٹی اورینٹل کالج (جو کسی زمانے میں جماعتیوں کا زبردست گڑھ تھا۔ اور اب جہاں زور ٹوٹ رہا ہے) پر پھر سے قبضہ ہو جائے گا۔

ڈاکٹر عبادت بریلوی کے خلاف حالیہ منصوبہ اور جماعتیے اخبارات کی مہم اس سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے ایک شرمناک پہلو یہ ہے کہ جماعت اسلامی اپنے ایک چہیتے استاد کو پروفیسری دلوانے کے لئے پنجاب میں علاقائی تعصب کی آگ بھڑکانے میں مصروف ہو گئی، اردو پنجابی کا مسئلہ کھڑا کر دیا۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی کو پنجاب دشمن قرار دیا گیا اور گڑے مردے اکھاڑنے کی تمنا پوری ہو جائے۔

ڈاکٹر وحید قریشی (اگر پھونک نہ لیں) تو صحیح معنوں میں اس وقت ہیرو بنے ہوئے ہیں یا چھرہ گے وائٹ ہاؤس نے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو ان کی شخصیت نکھارنے پر صرف کر دیا ہے، پورا زور لگایا جا رہا ہے کہ وہ پروفیسر بن جائیں اسے کہتے ہیں، قدر شناسی، ڈاکٹر وحید قریشی نے بھی الیکشن سے پہلے اور اس کے بعد جماعت کے لئے جو کام کیا ہے، وہ یونہی نہ تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے آج تک کوئی خسارے کا سودا نہیں کیا۔ بھلا جماعت کو بغیر کسی لالچ کے کیسے سپورٹ کرتے۔

انہیں قوی امید ہے کہ جماعت اسلامی کے دباؤ کے تحت پروفیسری ضرور مل جائے گی۔ کیونکہ اورینٹل کالج کا شعبہ پنجابی بھی تو ان کے اشارے پر بے جان ہو کر رہ گیا ہے وائس چانسلر صاحب اس کے صدر ہیں اور ان کے بعد ڈاکٹر وحید قریشی۔ کوئی پنجابی پڑھانے والا ایسا نہیں جو سند کے طور پر پیش کیا جا سکے، اس کا مقصد کیا ہے یہ شعبہ حال ہی میں قائم ہوا۔ جماعت کے پاس اس کے لئے ریڈی مال موجود نہ تھا۔ اب جو جماعتیے یہاں سے ایم اے کریں گے۔ انہیں یونیورسٹی سے تقرر نامے مل جائیں گے ڈگریاں بھی دراصل وحید قریشی صاحب کی جیب میں ہیں۔ وہ جسے چاہیں آئندہ کے لئے اس شعبے کی لگام تھما دیں یونیورسٹی کی انتظامیہ بشمول علامہ علاؤالدین صدیقی اورینٹل کالج میں ڈاکٹر وحید قریشی کے موجودہ رول سے بے خبر

خواجہ غلام صادق

کم سنی میں صدر شعبہ

بننے کی فکر میں ہیں

نہیں۔ یہ کہا جائے تو زیادہ مناسب رہے گا۔ کہ ڈاکٹر صاحب کو اورینٹل کالج کی فضا مکدر کرنے اور اسے سیاسی آماجگاہ بنانے کا فریضہ یونیورسٹی کے ارباب اختیار کی جانب سے ہی سونپا گیا ہے تو زیادہ مناسب رہے گا۔ وہ نہ صرف ان کی سرپرستی کر رہی ہے بلکہ انہیں نوازنے میں بھی اپنے جماعتیے اور سرمایہ دار آقاؤں سے دو قدم آگے ہے۔

حالات تو اس قدر بگاڑے جا رہے ہیں۔ کہ اس سال ایم اے اردو کے پرچے میں طلبا سے سوال کیا گیا کہ وہ شورش کاشمیری پر مضمون لکھیں۔ ہمیں علم ہے کہ یہ پرچہ آغا بیدار بخت نے بنایا ہے لیکن یہ اکیلے آغا صاحب کا کام نہیں بلکہ اس میں بعض پردہ نشینوں کے نام بھی آتے ہیں۔ مقصد یہ تھا کہ شورش کاشمیری جو بھٹو دشمنی اور پیپلز پارٹی کی مخالفت میں شرم و حیا سے بھی کام نہیں لیتا بلکہ انتہائی رکیک انداز میں بازاری الفاظ استعمال کرتا ہے، اس کے سیاسی مخالفین یقیناً اس پر احتجاج کریں گے اور امتحان کا بائیکاٹ کیا جائے گا۔ یونیورسٹی کی فضا مکدر ہو گی، اشتعال پھیلے گا۔ نقص امن کا مسئلہ پیدا ہو گا۔ اور اس کی تمام تر ذمہ داری ڈاکٹر عبادت بریلوی پر ڈال کر حکام کو مجبور کیا جائے گا۔ کہ وہ انہیں اورینٹل کالج سے ہٹائیں اس کی آڑ میں ان اساتذہ کے خلاف بھی تادیبی کارروائی ہو سکے گی جو جماعت اسلامی کے ہیڈ کوارٹر سے ہدایات نہیں لیتے۔

شعبۂ صحافت پر ڈاکٹر عبدالسلام خورشید قابض ہیں۔ موصوف نیشنل پریس ٹرسٹ کے ایک اخبار کے کالم نویس ہیں۔ اس اخبار کا نام مشرق ہے۔ مشرق نے انتخابات سے قبل اور بعد میں جس عوام دشمن پالیسی کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے، وہ تعارف کا محتاج نہیں۔ لاہور میں انتخابات سے پہلے یہ اخبار جماعت اسلامی کا ترجمان بنا ہوا تھا۔ اس نے عوام کے خلاف ہونے والی ہر سازش میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ جس سے نیشنل پریس ٹرسٹ کے اس ڈھول کا پول کھلا کہ اس ادارے کے تحت چلنے والے تمام اخبارات غیر جانبدار ہیں، ڈاکٹر صاحب کے صاحبزادے مسٹر نثار الاسلام بھی اسی اخبار میں سب ایڈیٹر ہیں۔

مشرق کے فائل گواہ ہیں کہ ڈاکٹر عبدالسلام خورشید نے اپنے کالموں میں کس ذہنیت کا مظاہرہ کیا ہے۔ وہ عوام دوست طاقتوں کے سرے سے خلاف ہیں اور جماعت اسلامی کے ہمدرد۔ ان سے پہلے صدر شعبہ کے طور پر مسٹر مرغوب صدیقی فائز تھے۔ موصوف پروفیسر حمید احمد خان کے زمانے میں یونیورسٹی سے نکالے گئے، ان کے بعد وائس چانسلر نے اس شعبے کو چلانے کے لئے ایک منیجنگ کمیٹی بنا دی۔ اس کے ارکان میں مولانا غلام رسول مہر، کرنل مجید ملک اور صدر شعبہ سیاسیات پنجاب یونیورسٹی شامل تھے۔ جب پروفیسر بی اے خان نے صدر شعبہ سیاسیات کا چارج سنبھالا تو وہ اپنے عہدے کی رعایت سے اس کمیٹی کے رکن بن گئے انہوں نے منیجنگ کمیٹی کے سامنے سوال اٹھایا کہ اس شعبے کی افادیت کیا ہے اس کے سربراہ صحافت میں ایم اے تک نہیں (ڈاکٹر عبدالسلام

پروفیسر بی اے خان کو جماعتِ اسلامی مجرم قرار دے چکی ہے

خورشید انہوں نے صرف صحافت میں ڈپلومے کا امتحان پاس کیا ہے انہوں نے ایم اے تاریخ کے مضمون میں کیا ہے اور ڈاکٹریٹ کی ڈگری بھی صحافت میں حاصل نہیں کی، جن لوگوں کو ممتحن مقرر کیا گیا ہے، ان کی تعلیم میٹرک اور ایف اے ہے اور اس طرح سے یہ شعبہ ڈاکٹر عبدالسلام خورشید کی ذاتی نشو ونما کے لئے قائم ہے

اس پر ایک انکوائری کمیٹی قائم کر دی گئی جس نے سفارش کی کہ مینجنگ کمیٹی کی از سر نو تشکیل کی جائے۔ اس بات کو تین سال گزر گئے ہیں، ہونا کیا تھا، یونیورسٹی کی انتظامیہ ڈاکٹر عبدالسلام خورشید کو جماعت اسلامی کی خدمت بجا لانے کے صلے میں پال رہی ہے اور اس کے بل بوتے پر وہ جماعتیے صحافیوں کی کھیپ تیار کرنے میں مصروف ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ جس شخص نے ایک بار ڈاکٹر عبدالسلام خورشید کی شاگردی کر لی، وہ ساری عمر کے لئے امریکہ کے گن گاتا رہے گا، اس طرح پاکستان میں پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ صحافت کی موجودگی میں برین واشنگ کے لئے امریکہ جانا ضروری نہیں موصوف امریکہ نوازی میں اس قدر آگے بڑھے ہوئے ہیں کہ تائیوان کو عوامی جمہوریہ چین کے مقابلے میں ترجیح دیتے ہیں اور سی آئی اے کی جانب سے منعقد ہونے والے مذاکروں میں شمولیت کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتے ہیں۔

جناب مہدی حسن لیکچرار شعبہ صحافت کی برطرفی ڈاکٹر عبدالسلام خورشید کی ذہنیت کی قلعی کھولنے کے لئے کافی ہے مہدی صاحب گذشتہ تین سال سے اس شعبے میں درس و تدریس کی ذمہ داریاں پوری کر رہے تھے، وہ عوامی سوچ کے مالک ہیں، ان کی تحریریں بائیں بازو کے اخبارات میں چھپتی رہی ہیں، یہ خوبی جماعتیوں پر بجلی بن کر گری، چنانچہ اچھرہ کی ہائی کمان نے ڈوری ہلائی کہ مہدی حسن کو یونیورسٹی سے نکلنا چاہیئے، ڈاکٹر خورشید کی کیا مجال تھی، کہ وہ حکم عدولی سے کام لیتے، فوری طور پر کارروائی کی گئی، اور مہدی حسن کو ملازمت سے جواب مل گیا۔

ایک شعبہ پولیٹیکل سائنس کا ہے اس کے سربراہ پروفیسر بی اے خان ہیں، اب ملاحظہ فرمایئے کہ جماعت اس شعبے پر قبضہ کرنے کے لئے کیا ہاتھ پاؤں مار رہی ہے، پروفیسر بی اے خان اپنی سینیارٹی کی بنیاد پر اس عہدے تک پہنچے، ان کا قصور بھی یہی ہے کہ وہ جماعت اسلامی کی بارگاہ میں ناقابل معافی مجرم ہیں، انہیں موجودہ حیثیت سے ہٹانے کے لئے پورے جتن کئے جا رہے ہیں۔

یونیورسٹی نے ایک اصول متعین کیا ہے کہ وہ کسی کی پروفیسر شپ کنفرم کرنے سے پہلے امریکہ اور برطانیہ کے پروفیسروں کی سفارش طلب کرتی ہے یہ پروفیسر جس کے بارے میں اپنی رپورٹ میں سفارش کر دیں وہی پنجاب یونیورسٹی میں پروفیسر شپ کا اہل قرار پا جاتے ہیں۔ آپ ستم ظریفی ملاحظہ فرمایئے کہ امریکہ اور برطانیہ ہمارے تعلیمی اداروں پر مسلط ہیں، ان کی سفارش کے معیار میں سیاسی سوچ کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ہمیں آزاد ہوئے ہم ۲۴ سال ہو چکے ہیں لیکن یونیورسٹیوں کے اساتذہ کی بھرتی سامراجی آقاؤں کی محتاج ہے امریکہ اور برطانیہ کے پاکستان میں سیاسی مفادات کو کون نہیں جانتا۔ سامراجی اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر کیا نہیں کرتے ہوں گے اور کن کن کو نوازتے نہ ہوں گے آخر یہ کیا بات ہے کہ اسلامی جمعیت طلبا کے فارغ التحصیل کارکنوں کو یونیورسٹی سے نکلنے کے فوری بعد امریکی یونیورسٹیوں میں وظائف مل جاتے ہیں۔

پنجاب یونیورسٹی میں یہ شرط بھی سیاسی مقاصد کی تکمیل کے لئے رکھی گئی ہے تاکہ امریکہ اور برطانیہ کی دلچسپی نہ صرف برقرار رہے بلکہ وہ تعلیمی اداروں کے ذریعے اس ملک پر حکمرانی بھی کر سکیں۔ شعبۂ سیاست بھی اس کا شکار ہے ایک معمولی سے واقعہ سے اندازہ لگایئے کہ دائیں بازو کے

جیالوجی کے ڈاکٹر شمس نے پی ایچ ڈی کی ڈگری کہاں سے لی

حامی اساتذہ کیا گل کھلا رہے ہیں۔ یہ واقعہ پولیٹیکل سائنس کے چار طلبا کے امتحانی پرچوں سے متعلق ہے۔ یہ پرچے جانچنے کے لئے ڈاکٹر پروین شوکت کو دیئے گئے تھے۔ انہوں نے نمبر لگانے کے لئے شعبہ سیاست کے ایک لیکچرار مسٹر اسلم قریشی کے حوالے کر دیئے مسٹر اسلم قریشی قواعد وضوابط کی رُو سے نمبر لگانے کے مجاز نہ تھے۔ ڈاکٹر پروین شوکت کی مصروفیات کی بنا پر پرچے واپس یونیورسٹی بھیجے جا سکتے تھے لیکن ایسا نہ ہوا اور یہ پرچے جماعت اسلامی کے مشہور و معروف حامی مسٹر اسلم قریشی کے حوالے ہو گئے۔ اس پر بائیں بازو کے طلبا کی کم بختی آ گئی۔ انہوں نے چار ایسے طلبا کو فیل کر دیا۔ جو پوزیشن حاصل کر سکتے تھے۔ اس پر طلبا نے وائس چانسلر سے رجوع کیا۔ صدر شعبہ کو اپیل لکھی، صدر شعبہ نے وائس چانسلر سے سفارش کی۔ کہ اس زیادتی کا ازالہ ہونا چاہیئے۔ چنانچہ ایک ایکسٹرنل ممتحن کو وہ پرچے دوبارہ جانچنے کے لئے دے دیئے گئے۔ اب ملاحظہ فرمایئے کہ جس طالب علم کو مسٹر اسلم قریشی نے ۲۵ نمبر دیئے تھے۔ ایکسٹرنل ممتحن نے اسے ۷۵ نمبر تک دیئے۔ صدر شعبہ نے بھی ان پرچوں کو جانچا۔ ایکسٹرنل اور صدر شعبہ کے مارکس ایک دوسرے سے ملتے جلتے تھے۔ ایکسٹرنل ممتحن پشاور کے تھے

اس پر وائس چانسلر نے ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کر دی۔ اس نے کیا رپورٹ دی، اس کا کسی کو علم نہیں، تاہم اسلم قریشی صاحب کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔

علامہ علاؤالدین صدیقی نے مسٹر اسلم قریشی کے خلاف کارروائی نہ کر کے جماعتیے اساتذہ کی نہ صرف حوصلہ افزائی کی ہے بلکہ انہیں بہت سی قیمتی جانوں سے کھیلنے کا موقعہ بھی فراہم کیا ہے امتحان میں ناکامی سے مایوس ہو کر انتہائی اقدام کرنے والے نوجوانوں کے بارے میں بہت سی رپورٹیں اخبارات کی زینت بن چکی ہیں۔ اسلم قریشی کے نمبروں کی روشنی میں کوئی طالب علم ایسا قدم اٹھا لیتا تو خون کس کی گردن پر ہوتا۔ آخر علامہ صاحب نے ایسے استاد کو کس بنا پر معاف کیا ہے؟ کیا اسلم قریشی کو بچانے کے لئے جماعت اسلامی نے اثر و رسوخ سے کام نہیں لیا؟

اب جیالوجی کے شعبہ ڈاکٹر شمس کا احوال سنئے۔ ان کے خلاف اساتذہ اور عملے کے کارکنوں نے وائس چانسلر کو ایک رپورٹ پیش کرتے ہوئے مطالبہ کیا ہے کہ پتہ چلایئے کہ موصوف نے پی ایچ ڈی کی ڈگری کہاں سے اور کب حاصل کی۔ تحقیق کے بعد کس مضمون کا مسودہ پیش کیا۔ کہیں یہ ڈگری جعلی تو نہیں؟

جیالوجی کے شعبہ کے اکاؤنٹس کی جانچ پڑتال کی جائے پتہ چلایا جائے کہ ہزاروں روپے کا سرمایہ کہاں خرچ ہوا اور اس کی رسیدیں کہاں ہیں۔ جو رسیدیں موجود ہیں۔ ان کی حفاظت کیا ہے۔

سنا جاتا ہے کہ اساتذہ اور عملے نے کوئی چونسٹھ الزامات عاید کئے ہیں صدر شعبہ کے خلاف تحقیقات ایک کمیٹی کر رہی ہے۔ ان کی خوش قسمتی یہ ہے کہ وہ بھی جماعت اسلامی

امتحانات کا شعبہ ـــــ بدعنوانیوں کا شعبہ بن گیا

کے حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

لا کالج میں شیخ امتیاز علی کا طوطی بولتا ہے موصوف کالج کے پرنسپل ہیں اور پروفیسر حمید احمد خان کے زمانے سے وائس چانسلری کا خواب دیکھ رہے ہیں، وہ اپنے حلقے میں یہ کہتے ہوئے سنائی دے رہے ہیں، کہ علامہ علاؤالدین صدیقی کے بعد ان کی باری ہے، اس کے ساتھ ہی ان کا پختہ ارادہ ہے کہ وہ وائس چانسلر بننے کے بعد بھی کالج کے پرنسپل کے طور پر کام کرتے رہیں گے۔

ان کا شمار بھی دائیں بازو کے کٹر حامیوں میں ہوتا ہے جہانگیر بدر کے مقابلے میں جماعتی امیدوار کو کامیاب کرانے کے لئے شیخ صاحب نے کھل کر اپنا کردار ادا کیا۔

شیخ صاحب میں موجودہ نظریاتی تبدیلی نجانے کس طرح آئی ہے۔ شاید وہ بھی اس خوش فہمی کا شکار ہوگئے تھے کہ جماعت اسلامی انتخابات جیت جائے گی اور پھر وہ مطالبہ کرنے کے اہل ہوں گے کہ سابقہ خدمات کی روشنی میں وائس چانسلر تو بنا دو، ایوب خان کے دور میں وہ آمر مطلق کے سب سے بڑے حامی تھے۔ یونیورسٹی کے طلبا کو دبانے میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ اور انتقامی کارروائیوں میں بھی کسی بخل سے کام نہیں لیا۔

آپ خواجہ غلام صادق کا ذکر بہت پڑھ چکے ہیں۔ اور اب ان پر ہونے والی ایک حالیہ نوازش پر نظر ڈالئے کہ اس کے پس منظر میں کون سا ہاتھ کار فرما ہے۔ موصوف صرف ایم اے فلسفہ ہیں۔ یہ ایم اے انہوں نے کون سے درجے میں پاس کیا ہے، یہ ریکارڈ یونیورسٹی اور اسلامیہ کالج سول لائنز میں محفوظ ہے، کہا جاتا ہے کہ وہ تھرڈ ڈویژن پاس ہیں ان کی شخصیت کو نمایاں بنانے کے لئے یونیورسٹی نے پہلے تو شعبہ امور طلبا میں ڈائریکٹر کے عہدے پر مامور کیا۔ اب شعبہ فلسفہ میں قائمقام صدر شعبہ بنا دیئے گئے ہیں۔ صدر شعبہ بننے کے لئے راہ ہموار ہوگئی ہے۔

کچھ دنوں میں قائمقام کا لفظ بھی ہٹ جائے گا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ رتبہ ان کی ان بے پایاں اور گرانمایہ خدمات کے صلے میں ملا ہے جو انہوں نے ڈائریکٹر شعبہ امور طلبا کی حیثیت سے اپنے آقاؤں کو خوش کرنے کے لئے انجام دی ہیں ورنہ ان کی عمر ہی کیا ہے جو صدر شعبہ کے منصب پر فائز ہوں

یونیورسٹی میں ایک نیا ایکٹ نافذ ہوا ہے۔ اس کی رو سے آٹھ ڈین مقرر کئے گئے ہیں، یہ ڈین اس پیش بندی کے پیش نظر فائز ہوئے ہیں کہ بالفرض محال وائس چانسلر ایسا مقرر ہو جائے جو دائیں بازو کی سرغنہ جماعت اسلامی اور اس کی ذیلی تنظیموں یا پروردہ جماعتوں اور افراد کے اشاروں پر نہ چلیں تو یہ ڈین مذکورہ وائس چانسلر کو قابو میں رکھ سکیں، یہ بالکل اسی طرح ہوا ہے جس طرح کہ وائس چانسلر نے خلاف معمول جون کے مہینے میں سنڈیکیٹ کے ارکان کے ناموں کی سفارش کر دی تھی، اس سے پہلے یہ نام چانسلر کو ستمبر میں بھیجے جاتے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ یہ نام پیش بندی کے طور پر ارسال کئے گئے کہ کہیں پیپلز پارٹی کو اقتدار منتقل نہ ہو جائے اور سنڈیکیٹ میں جماعت اسلامی کے حامیوں کو رکن بنانے میں مشکلات پیش نہ آئیں۔

سنڈیکیٹ ایک قابل احترام ادارہ ہے۔ پنجاب یونیورسٹی کے سنڈیکیٹ کا تذکرہ کرتے ہوئے اس ادارہ سے نفرت سی ہونے لگتی ہے اس کے ارکان میں بائیس خاندانوں کے نمائندے اور جماعت اسلامی کے نمائندے بھرے پڑے ہیں سابق جسٹس ایس۔ اے رحمان جو نیشنل پریس ٹرسٹ کے چیئرمین بھی رہ چکے ہیں، انہیں کون نہیں جانتا۔ ان کی جانبداری کس سے ڈھکی چھپی ہے۔ انہوں نے جماعت اسلامی کو خوش رکھنے کے لئے کیا نہیں کیا۔ صحافیوں کے معاشی قتل عام کے منصوبے پر عملدرآمد انہی کے دور کا کارنامہ ہے۔ موصوف کو سنڈیکیٹ رکن بننے کا شرف ملا۔

میاں امیر الدین رحمن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے؟ اس محترم ادارے کے رکنیت کے اہل قرار پائے نصیر اے شیخ ذکالوجی گروپ آف انڈسٹریز اور اس قسم کے دوسرے اصحاب کے لئے سنڈیکیٹ میں گنجائش پیدا کی گئی۔ یہ سنڈیکیٹ سے زیادہ سیاسی جوڑ توڑ کرنے والوں کا اکھاڑہ ہے؟

اب یونیورسٹی کی انتظامیہ کی طرف آیئے۔ یونیورسٹی میں سب سے اہم شعبہ امتحانات کا ہوتا ہے۔ پنجاب یونیورسٹی کا یہ شعبہ اس قدر بدنام ہو چکا ہے کہ کسی زمانے میں پنجاب یونیورسٹی کی ڈگری کا جو مقام تھا

آئندہ ہفتے ملاحظہ کیجئے

مغربی پاکستان کے سابق گورنر جنرل محمد موسیٰ خاں کی
کھری کھری باتیں

لوگ "ہائے آٹا، ہائے روٹی" پکار رہے تھے،
حکومت "برقی ٹرینیں" منظور کر رہی تھی

فروری ۱۹۶۷ء کی ریلوے ہڑتال اناج کی تقسیم میں سبوتاژ
کے لئے خفیہ طاقتوں کے اشارے پر کی گئی تھی

تاریخی حقائق سے پہلی بار پردہ اٹھتا ہے

یونیورسٹی پاکستان کی، سفارشیں امریکہ اور برطانیہ کے پروفیسروں کی

وہ اب ختم ہو رہا ہے۔

پروفیسر حمید احمد خان کے زمانے میں امتحانات کا جو طریقہ رائج تھا، اس میں پرچوں کے آؤٹ ہونے اور ممتحنوں کا پتہ چلانے کی ظاہرا کوئی گنجائش نہیں تھی۔ سیکریسی کا شعبہ بد دیانتی کرتا تو کہیں چند امیدواروں کو یہ پتہ چل جاتا کہ ان کے پرچے کون سے ممتحن کے پاس ہیں جب سے شمشاد حیدر نے رجسٹرار کا عہدہ سنبھالا ہے، ان کے دور میں یہ طریقہ ختم ہی نہیں ہوا بلکہ پرچے آؤٹ ہونے کے اسکینڈلوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔

پہلے جو طریقہ تھا، اس کے مطابق امیدواروں کی اصل کاپیوں پر درج یونیورسٹی کے رول نمبر تبدیل کر کے نئے نمبر لکھے جاتے تھے۔ اس سے ممتحن کو بھی پتہ نہیں ہوتا تھا کہ ان کے پاس کس کالج یا شعبے کے پرچے ہیں۔ اب یہ نمبر تبدیل نہیں ہوتے بلکہ یونیورسٹی کی جانب جو رول نمبر الاٹ کئے جاتے ہیں وہی بنتے ہیں اس سے بدعنوانی بڑھی ہے۔ کوئی امیدوار ایک پرچے کے ممتحن کا پتہ چلانے کے لئے یونیورسٹی میں کام کرنے والے متعلقہ افراد کو سو روپے اور تمام پرچوں کے ممتحن حضرات کا پتہ چلانے کے لئے دو سو روپے دیدے تو مسئلہ حل ہو جاتا ہے یہ امیدوار آسانی سے ہر ممتحن تک پہنچ جاتے ہیں اور سفارشوں اور دوسرے ذرائع سے کامیابی کے لئے بھاگ دوڑ کرتے ہیں۔

اس کے برعکس یونیورسٹی امتحان پولیس کی نگرانی میں منعقد کرواتی ہے تاکہ نقل نہ ہو اب ہمارے اس پولیس کا جو مورال ہے وہ امتحانات کے مراکز میں بھی سرائت کر رہا ہے۔ یار لوگ پانچ دس روپے دیکر ٹریفک کا چالان چھڑا لیتے ہیں۔ پانچ سو روپے کی بدولت جھوٹا مقدمہ دائر کروا دیتے ہیں اور قتل کے ملزموں کو دولت کے بل بوتے پر پولیس تک پہنچنے نہیں دیتے۔

پنجاب یونیورسٹی نے اس پولیس کو امتحانات کی نگرانی پر مامور کر دیا ہے۔؟

اس تمام ابتر حالت کی وجہ صرف یہ ہے۔ کہ یونیورسٹی کے حکام کو یونیورسٹی کا تعلیمی معیار بلند کرنے کی بجائے زیادہ وقت سیاسی سرگرمیوں میں گذرتا ہے۔ ان کی تمام تر کوشش یہ رہی ہے کہ یونیورسٹی پر جماعت اسلامی کا قبضہ ہو جائے وہ اپنے اس مقصد میں کسی حد تک کامیاب بھی ہو گئے یہ حد صرف ٹوڈی اساتذہ اور یونیورسٹی کے اعلیٰ حکام تک ہے اس مقابلے میں عوام دوست اساتذہ تمام تر انتقامی کارروائیوں، سختیوں اور پابندیوں کے باوجود متحد ہیں۔ طلبا میں اس کا رد عمل ہے اور یقیناً جب جماعت اسلامی کے اشاروں پر پنجاب یونیورسٹی کو سیاسی مقاصد کی تکمیل کے لئے استعمال کرنے کا آغاز ہوگا۔ تو اسے مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سب کچھ بالکل اسی انداز میں ہو رہا ہے، جس انداز میں انتخابات سے قبل جماعت اسلامی کا امیج بنانے کے لئے کارروائیاں کی گئی تھیں پیپلز پارٹی کو یہ دیکھنا ہوگا۔ کہ اس کے خلاف پنجاب یونیورسٹی جو کچھ ہوا ہے یا ہو رہا ہے، وہ اس کا مقابلہ کیسے کرے گی۔

■



جاپان کا شہنشاہ امریکہ کا ساتھ نہیں چھوڑے گا

صدر نکسن عنقریب جاپان کا دورہ کرنے والے ہیں، جاپان جنوب مشرقی ایشیا میں امریکہ کا سب سے بڑا اتحادی ہے اس کی خارجی اور داخلی پالیسیوں پر امریکی سامراج کا بڑا گہرا اثر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ دوسری عالمی جنگ کے بعد جاپان کے شہنشاہ ہیروہیٹو امریکہ کے دورے پر پہنچے تو ان کی آمد سے صرف ایک ہفتہ قبل جاپان کی شاہی سازش کے نام سے ایک کتاب شائع کی گئی جس میں ہیروہیٹو کے کردار پر زبردست حملے کئے گئے تھے۔ اور ان کے بارے میں لکھا گیا تھا کہ "وہ جنگی جرائم کے سب سے بڑے مجرم ہیں"۔

"جاپان کی شاہی سازش" میں ہیروہیٹو کی شخصیت پر خوب کیچڑ اچھالی گئی۔ انہیں سازشی اور جنگی مجرم قرار دیا گیا، یہاں تک الزام لگایا کہ انہوں نے پرل ہاربر کی تباہی کے منصوبے میں مشورے دیئے اور ذاتی طور پر اس اسکیم کی بھرپور حمایت کی، وہ پھانسی کے پھندے سے محض اس لئے بچ گئے کہ جنرل میک آرتھر کو اُن کی ضرورت تھی۔ وہ ہیروہیٹو کا علامتی عہدہ، برقرار رکھنا چاہتے تھے تاکہ جاپان پر اتحادیوں کے تسلط کے دوران اس علامتی عہدے کو امریکہ کے لئے استعمال کیا جاسکے۔

اس کتاب کا مصنف ڈیوڈ برگمینی جنگ دوم کے دوران جاپان میں موجود تھا۔ اس نے کتاب کی تیاری میں سینکڑوں، سرکاری، نیم سرکاری افسروں اور متعلقہ افراد سے انٹرویو لیا، اس نے اپنی کتاب کی ضمنی سرخی دی "ہیروہیٹو نے کس طرح مغرب کے خلاف جنگ میں جاپان کی قیادت کی"

واضح رہے کہ امریکہ میں قیام کے دوران شہنشاہ کو اس کتاب کا ایک نسخہ بھی پیش کیا گیا، مگر وہ مسکرا کر رہ گئے۔ ایک صحافی نے ریمارک دیا "شاہ برا نہیں منائیں گے" انہوں نے اب ہر قیمت پر امریکہ کے ساتھ چلنے کا فیصلہ کر لیا ہے"۔



اٹیکا جیل کا خونی ڈرامہ مائی لائی کے قتل عام سے کم ہولناک نہیں

نعیم آروی

ابر آلود صبح ہے۔ ہر طرف ایک گہری خاموشی پھیلی ہے۔ ایک ایسی بے چینی اور تکلیف دہ خاموشی جو عموماً کسی قیامت خیز طوفان، ہنگامے کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔ گھڑی کی سوئی ۹:۴۴ بجا رہی ہے۔ اچانک لاؤڈ اسپیکر سے ایک کرخت آواز گونج اٹھتی ہے "اٹیکا جیل کے قیدیوں پر ہر طرف سے حملہ کر دیا جائے" اس ہدایت کے ساتھ ہی جیل کے اوپر فوجی ہیلی کاپٹر تیز گڑگڑاہٹ کے ساتھ نمودار ہوتے ہیں۔ ۳۰ فٹ کی بلندی سے جیل کی دیواروں پر گولیوں کی پہلی باڑھ ماری جاتی ہے۔ جیل کا بڑا دروازہ کھول دیا گیا۔ پانچ سو فوجی افسر شاٹ گن، پستول، رائفلز سے مسلح نہتے قیدیوں کے ہجوم پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ پورے ایک گھنٹہ تک فائرنگ جاری رہتی ہے۔ پورے ساٹھ منٹ شاٹ گن رائفلز اور پستول تڑتڑاتے ہیں۔ موت کا رقص جاری رہتا ہے اور نیویارک میں انصاف اور قانون کی نمائندگی کرنے والے ہلاکت اور تباہی کے بھیانک کھیل میں مصروف رہتے ہیں۔ ۳۰ سزا یافتہ قیدی ہلاک ہو گئے اور سینکڑوں شدید زخمی حالت میں ہسپتال پہنچائے گئے۔

یہ اندوہناک واقعہ، نیویارک کے ایک قریبی علاقہ اٹیکا جیل میں رونما ہوا۔ اٹیکا جیل کا یہ خونی حادثہ امریکی تاریخ کا سب سے المناک سانحہ ہے۔ اس کا شمار ریاست کنیٹ، ریاست جیکسن اور مائی لائی کے قتل عام کے ساتھ کیا جائیگا۔ ان چاروں جگہوں میں امریکی طاقت اور اسلحہ کو جس درندگی کے ساتھ استعمال کیا گیا وہ امریکی حکومت اور امریکی معاشرے کے چہرے پر کوڑھ کا داغ بن گیا ہے۔ اٹیکا جیل کے بیشتر قیدی نیگرو باشندے ہیں۔ ہلاک ہونیوالوں میں وہی ہیں اور زخمی ہونے والوں میں بھی انہی کی تعداد ہے۔ امریکی پولیس کے اس بہیمانہ اقدام کے پیچھے نسلی نفرت کا جذبہ کارفرما ہے

امریکی حکومت اس خونی تماشے کو راز میں رکھنے کی سرتوڑ کوشش کر رہی ہے۔ جیل کے قیدیوں میں کیوں بے چینی اور بے اطمینانی پھیلی؟ ان کے ساتھ کیا ناانصافی کی گئی۔ اور اتنے بڑے حادثے کا کون ذمہ دار ہے؟ ان سوالات کے بارے میں طرح طرح کی قیاس آرائیاں کی جا رہی ہیں۔ امریکی عوام کے ذہنوں میں یہ سارے سوالات پیدا ہو رہے ہیں مگر ان کے ان سوالات کا ابھی تک کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا گیا۔ عوام کو گمراہ کرنے کے لئے اس خونی کارروائی کا جواز پیدا کیا جا رہا ہے۔ صدر نکسن نے انتہائی ڈھٹائی کے ساتھ اعلان کر دیا کہ "اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا" جبکہ نیویارک کے منسٹر کنتھ گبن نے کہا، ایک مہذب سوسائٹی میں قیدیوں کی ساتھ اس قدر بہیمانہ سلوک انتہائی شرمناک ہے"۔

"امریکہ کے بعض ایسے اخبارات نے جو سرمایہ داروں کی امداد سے چلتے ہیں اور جن پر امریکی پالیسی کا گہرا اثر ہے اپنے اداریوں میں بڑے شرمناک خیالات کا اظہار کیا ہے ان میں سے ایک اخبار جو بڑے سرمایہ داروں اور ریاستی پالیسیوں کا ترجمان ہے۔ اپنے اداریہ میں لکھتا ہے "اٹیکا کے جانوروں کو ان کے کئے دھرے کی سزا دی گئی"۔

اس سے قبل بالٹی مور سٹی جیل کے سیاہ فام قیدی بھی

تیس سیاہ فام قیدی ہلاک اور سینکڑوں زخمی ہو گئے



امریکی پولیس کے ہاتھوں زخمی ہونے والے سیاہ فام قیدی

جیل کے ظالمانہ قوانین اور پولیس کے ناروا سلوک کے خلاف علم بغاوت بلند کر چکے ہیں۔ واضح رہے کہ ان قیدیوں کا ایک مطالبہ یہ بھی تھا کہ ان کے خلاف مقدمات کا فیصلہ جلد کیا جائے وہ کافی عرصہ سے عدالت کے کسی حکم کے بغیر لمبی مدت کی سزا کاٹ رہے ہیں انہیں جانوروں کی طرح رکھا جاتا ہے۔ اور غذا میں ایسی چیزیں دی جاتی ہے جنہیں جانور بھی کھانا پسند نہیں کرینگے۔

امریکہ کی جیلیں اصلاح کا کام نہیں دیتیں۔ جرائم کی پرورش کرتی ہیں، ان جیلوں میں جہاں بیشتر قیدی نیگرو اور سیاہ فام ہیں، ان کی حالت قابل رحم ہے انہیں سڑے ہوئے اناج کی غذا دی جاتی ہے معمولی معمولی باتوں پر اتنی کڑی سزا دی جاتی ہیں کہ سننے والے کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس کے برعکس سفید فام قیدیوں کے آرام و آسائش کا پورا خیال رکھا جاتا ہے۔ انہیں اچھی غذا دی جاتی ہے۔ ہوا خوری کی اجازت ہے اور ان سے کم مشقت کا کام لیا جاتا ہے۔

اٹیکا جیل کے سیاہ فام قیدی بہت دنوں سے جیل کے نظام میں اصلاح کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اس جیل میں عام طور پر خطرناک قسم کے قیدی رکھے جاتے ہیں۔ ان میں ایسے بھی قیدی شامل کئے جاتے رہے۔ جن کا جرم زیادہ سنگین نہیں رہا۔ لیکن جیل کے حکام ایک ہی لاٹھی سے سارے قیدیوں کو ہانکتے رہے، بغاوت کے وقت جیل میں ۲ ہزار ۲ سو پچاس سیاہ فام قیدی تھے۔ یعنی سیاہ فام قیدیوں کی تعداد ۸۵ فیصد تھی مسلح گارڈ کی تعداد ۳۸۳ بتائی گئی۔ جو سارے کے سارے سفید فام اور نسلی تفاخر کے احساس سے بدمست تھے، سیاہ فام قیدیوں نے متعدد بار اعلیٰ حکام تک یہ بات گوش گذار کی کہ سفید فام گارڈوں کا سلوک ان کے ساتھ اچھا نہیں ہے۔ انہیں اکثر تنگ نظری کا نشانہ بنایا جاتا ہے سفید فام قیدیوں کو سہل اور آسان کام دیا جاتا ہے۔ جبکہ نیگرو قیدیوں سے بھاری مشقت کا کام لیا جاتا ہے۔ سیاہ فاموں کو نیگرو اسٹک سے ہانک کر بیرکوں میں بند کیا جاتا ہے۔ قیدیوں کو اس بات کی بھی شکایت تھی کہ جیل سپرنٹنڈنٹ ونسنٹ ملوسی فرعون صفت آدمی ہے، غصہ اس کی ناک پر رہتا ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ناراض ہو کر سیاہ فام قیدیوں کو بھیانک سزائیں دلواتا ہے۔ مسلح گارڈوں کو ہدایت دیتا رہتا کہ وہ سیاہ فام قیدیوں پر کنٹرول رکھنے کے لئے ہر ہتھکنڈہ استعمال کریں"۔ جیل کے اندر مظلوم قیدیوں سے کیا سلوک کیا جاتا رہا۔ اس کے متعلق کوئی خبر باہر کی دنیا کو نہیں ملی۔ جیل کی اونچی چہار دیواری اور فصیلوں سے فائدہ اٹھا کر مسلح گارڈ قیدیوں کو اپنا اطاعت گذار بنانے کے لئے ظلم و ستم ڈھاتے رہے، قیدیوں کو معمولی سی خطا پر قید تنہائی کی سزا دی جاتی رہی۔ احتجاج کرنے پر انہیں موٹے موٹے ڈنڈوں سے پیٹا جاتا رہا، سیاہ فاموں سے "میٹل شاپ" میں کام لیا جاتا رہا جسے عرف عام میں بلیک ہول بھی کہا جاتا ہے، وہاں کی گرمی ناقابل برداشت ہے، ٹائلٹ پیپر مہینہ میں ایک بار دیا جاتا ہے۔ اٹیکا کے قیدی بار باران ناانصافیوں کے خلاف زبانی اور تحریری احتجاج کرتے رہے مگر جیل کے جابر آقاؤں نے اس پر کوئی دھیان نہ دیا۔

اسی دوران میں اٹیکا جیل میں نوجوان انقلابیوں کو بڑی تعداد میں بند کر دیا گیا۔ یہاں آ کر انہیں معلوم ہوا کہ باہر کی طرح اندر بھی استحصالی نظام کا بے رحم پہیا تیزی سے گردش میں ہے اور بے زبان نیگرو قیدی حیوانوں سے بدتر زندگی گذار رہے ہیں، ان میں سے ایک نوجوان انقلابی نے ایک نظم بھی لکھی: "اگر ہم قیدی، انسانوں کی طرح زندہ نہیں رہ سکتے تو کم از کم انسانوں کی طرح مر تو سکتے ہیں"۔

اٹیکا جیل کے نوجوان سیاہ فام انقلابیوں نے جیل کے حکام کے مظالم سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے "اٹیکا لبریشن فیکشن" کی بنیاد ڈالی اور جولائی میں اس تنظیم کے منشور کی کاپیاں راک فیلر اور اسوالڈ کو بھیجی گئیں، منشور میں کہا گیا تھا۔ "ظلم کی انتہا ہو چکی ہے اس کے باوجود فی الوقت ہم جمہوری انداز سے اپنے مسائل حل کرانا چاہتے ہیں۔ ہمارے مطالبات بہت معمولی اور سادہ ہیں، انہیں ڈرامائی رنگ دینے کا سلسلہ ختم کیا جائے"۔

۸ ستمبر کو ایک نیگرو قیدی کو بلاوجہ تنگ کیا گیا۔ اس نے احتجاج کیا۔ جیل کے حکام اس بات سے ناراض ہو گئے "تیری یہ مجال کہ ہمارے سامنے لب کشائی کرے"۔ جیل کے مسلح گارڈوں

ضروری تصحیح

الفتح کے گذشتہ شمارے میں افضل صدیقی کے سلسلہ مضامین "روزنامہ غالب سے روزنامہ جنگ تک" کی ساتویں قسط میں صفحہ ۱۰ پر کتابت کی غلطی کے باعث ایک فقرے کا مفہوم غلط ہو گیا ہے۔ صفحہ ۱۰ پر پہلے پیراگراف میں جو جملہ چھپا ہے وہ یوں ہے: "یہی ایک ایسی طمانیت ہے جس پر دنیا کا ہر انسان قربان کیا جا سکتا ہے"۔ کتابت کی غلطی سے "اطمینان" کی جگہ "انسان" چھپا ہے۔ براہ کرم قارئین کرام اس جملے کو یوں پڑھیں، یہی ایک ایسی طمانیت ہے جس پر دنیا کا ہر اطمینان قربان کیا جا سکتا ہے۔ ادارہ اس سہو کتابت پر معذرت خواہ ہے۔

ایک گھنٹہ تک موت کا بھیانک رقص جاری رہا

نے نوجوان قیدی کو اتنا مارا کہ وہ لہولہان ہو کر بے ہوش ہو گیا اس واقعہ سے قیدیوں میں غصہ اور نفرت کی دبی ہوئی آگ بھڑک اٹھی۔ اسی شام کو دوسرے دو نیگرو قیدیوں کو بھی معمولی سی خطا پر "باکس میں" بھیج دیا گیا۔ قیدی اسی باکس کو موت کا تنگ کمرہ کہتے ہیں، دوسرے دن جب قیدیوں کو باکس سے باہر نکالا گیا تو ان کی حالت غیر تھی۔ انہیں دیکھ کر سامنے قیدیوں نے یک زبان چلا کر کہا۔ "ایسی زندگی سے موت بہتر ہے۔"

۹ ستمبر کی صبح کو قیدیوں نے احتجاجاً لائن میں کھڑا ہونے سے انکار کر دیا۔ یہ ان کے خاموش اور بے ضرر احتجاج کی ایک صورت تھی۔ جو سفید فام گارڈوں کو انتہائی ناگوار گذری، اچانک مسلح گارڈ کسی وارننگ کے بغیر نہتے قیدیوں پر ٹوٹ پڑے۔ گارڈوں کا یہ جارحانہ رویہ دیکھ کر قیدی غصے سے بھر گئے اور انہوں نے عمارت کے چھ حصوں کو آگ لگا دی جیل کا گرجا گھر، اسکول کی عمارت اور مشین شاپ کی عمارت بھی تباہ ہو گئی۔

قیدیوں کو قابو سے باہر نکلتے دیکھ کر خطرے کی گھنٹی بجا دی گئی، بپھرے ہوئے قیدیوں پر آنسو گیس کے گولے چھوڑے گئے، ڈنڈے برسائے گئے، اس کے بعد تقریباً ایک ہزار ۲ سو قیدیوں پر رائفل اور شارٹ گن کے دہانے کھول دیئے گئے۔ جیل کے حکام نے الزام لگایا کہ یہ ہنگامہ منصوبے کے تحت کرایا گیا۔ اگر ریاستی مشینری اور جیل کے حکام کی یہ بات تسلیم کر لی جاتی تو پھر ان کے عظیم نقصانات کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب قیدیوں نے سوچے منصوبے کے مطابق منظم ہنگامہ کھڑا کیا تھا تو گارڈ بھی مارے گئے ہوں گے، آپ کو یہ سن کر حیرت ہو گی کہ صرف ایک گارڈ ہلاک ہوا، صرف یہی ایک واقعہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ سیاہ



اٹیکا جیل کی مسلح سفید فام گارڈ

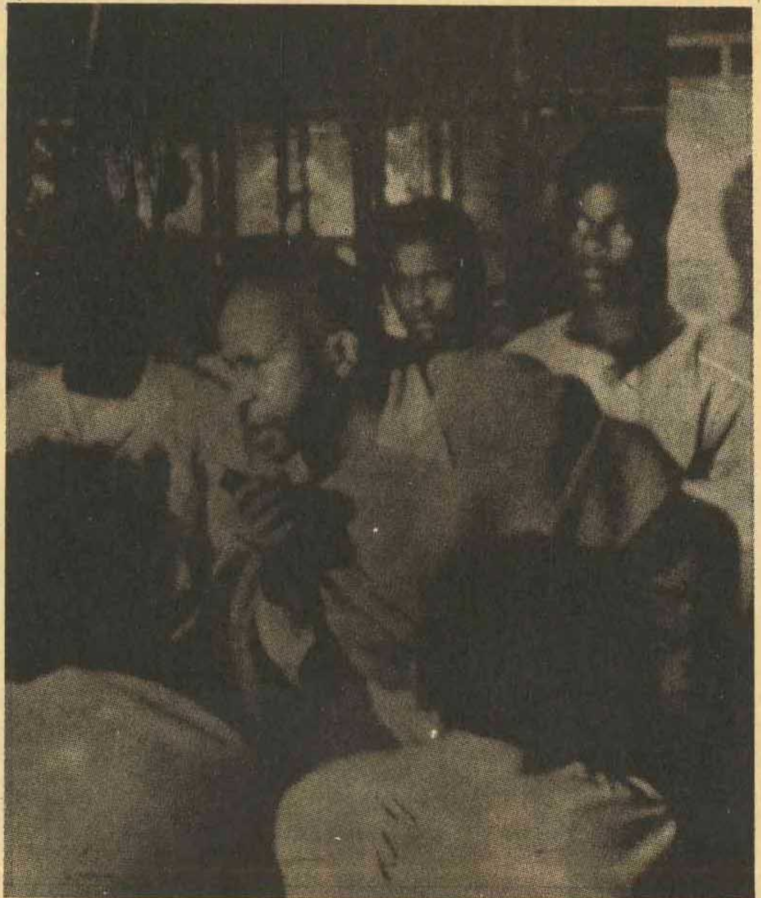
فام قیدیوں نے کوئی منظم ہنگامہ آرائی نہیں کی بلکہ ظلم و تشدد کے ایک طویل سلسلے نے انہیں وقتی طور پر ابھار دیا تھا۔ اگر وہ سوچ سمجھ کر ظلم کے خلاف سینہ سپر ہوتے تو شاید ایک بھی گارڈ زندہ نہ بچتا۔

ہنگامے کی اطلاع اسوالڈ کو دی گئی، وہ فوراً جیل پہنچ گیا۔ اور اس نے قیدیوں سے مذاکرات کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے ساتھ قیدیوں کی اصلاح کرنے والا ایک شخص ہربین بھی تھا دونوں مرکزی دروازہ سے نکل کر قیدیوں کے درمیان پہنچ گئے، انہیں یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ سیاہ فام قیدیوں میں نظم و ضبط کی صورت حال بہت اچھی تھی، وہ اپنے قائدین کی ہدایات پر عمل کر رہے تھے۔ ان کا ایک لیڈر میگافون کے ذریعہ گفتگو میں حصہ لے رہا تھا! اس نے انہیں مطالبات کی ایک فہرست پیش کی، بے شمار قیدیوں نے فٹ بال کھیلنے والی ٹوپی پہن رکھی تھی اور اپنے چہرے کو تولیئے سے لپیٹ رکھا تھا

اسوالڈ نے کہا۔ "پہلے ان گارڈوں کو رہا کر دو، جنہیں تم لوگوں نے بطور یرغمال رکھ چھوڑا ہے"۔ قیدی مذہبی آزادی (بلیک مسلم) سیاسی جلسوں کی آزادی کا حق مانگ رہے تھے انہوں نے مطالبہ کیا کہ ان کے خطوط پر سے سنسر شپ کی پابندی ہٹالی جائے۔ اور انہیں جیل سے باہر آمد و رفت کے لئے تیز رفتار اور محفوظ ٹرانسپورٹ مہیا کی جائے۔

اٹیکا جیل میں جب ہنگامے شروع ہوئے تو گورنر راک فیلر واشنگٹن میں صدر کے فارن انٹیلی جنس ایڈوائزری بورڈ کے اجلاس میں شریک تھے۔ انہیں اتنے بڑے سانحہ کا کوئی علم نہ تھا۔ شاید دلچسپی بھی نہ ہو، کیونکہ معاملہ سیاہ فام قیدیوں کا تھا۔ جنہیں ابھی امریکہ میں انسان کا درجہ نہیں دیا گیا ہے۔ انہیں ٹیلی فون کے ذریعہ اطلاع دی گئی۔ انہوں نے سارے معاملات طے کرنے کی ذمہ داری اسوالڈ پر ڈال دی، وہ مزید دو روز تک واشنگٹن میں ٹھہرے رہے، اس کے بعد ہفتے

باقی صفحہ ۲۶ پر ملاحظہ فرمائیے



اٹیکا جیل کا ایک نیگرو لیڈر میگا فون کے ذریعے جیل کے حکام سے مذاکرات کر رہا ہے۔

وہاب صدیقی





چین کی کمیونسٹ پارٹی
استحصالی طاقتوں سے
برسرِ پیکار تھی

لانگ مارچ کے ایام میں چو این لائی (گھوڑے پر سوار) لن پیاؤ اور چیرمین ماؤزے تنگ کی نادر تصاویر

چینی عوام نے پندرہ سال کی جدّوجُہد میں
جاپانی توسیع پسندوں کو عبرتناک شکست دیدی



چیرمین ماؤزے تنگ نے عوامی جنگ اور
طویل جنگ کی حکمتِ عملی
اور طریقِ کار کا تعین کیا

چانگ کائی شیک چین کے نیم نوآبادیاتی اور نیم جاگیردارانہ استحصالی نظام کو برقرار رکھنے کے لئے کمیونسٹوں کے خون سے ہاتھ رنگ رہا تھا۔ شہر اور دیہات، مقتل اور مذبح خانے بن گئے۔ جیلیں عوام دوست عناصر سے بھر گئیں۔ لیکن حق کا کارواں کسی کے روکے نہیں رُکتا۔ وہ تو اپنی راہ میں حائل ہر رکاوٹ کو پامال اور ہر سنگِ گراں کو ریزہ ریزہ کرتا جانبِ منزل بڑھتا رہتا ہے۔ چین کے انقلابی ہر مشکل کو مسکرا کر برداشت کرتے ہوئے انقلابی راہِ عمل پر گامزن رہے اور ان کا دائرۂ اثر دن بدن وسیع تر ہوتا گیا۔

چین کی کمیونسٹ پارٹی، چانگ کائی شیک اور چینی جنگ باز سرداروں سے برسرِ پیکار تھی کہ ستمبر ۱۹۳۱ء میں جاپانی جنگ باز حکمرانوں نے منچوریا پر حملہ کر دیا۔ کومنتانگ کی حکومت اور چینی جنگی سرداروں نے مزاحمت نہ کی۔ ان کا یہ کردار اُن کے طبقاتی کردار کا مظہر تھا، کومنتانگ اور جنگی سردار، چینی سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے نمائندے تھے۔ تاریخ گواہ ہے کہ ان طبقوں نے کبھی بھی ملک اور قوم کی خاطر قربانیاں نہیں دیں۔ کیونکہ یہ اپنے سرمائے کو جیبوں میں ڈال کر دیارِ غیر میں عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اسی لئے وطن اور قوم سے غدّاری ہمیشہ سرمایہ دار، جاگیردار اور نوکر شاہی کے افراد کرتے ہیں۔ ان کے برعکس کروڑوں کسان اپنے اپنے کھیت اُٹھا کر دُوسرے ممالک میں منتقل نہیں کرتے۔ نہ ہی کروڑوں مزدور اپنے اوزار، محنت اور ہنر ملک سے باہر لے جا سکتے ہیں۔ وہ تو اپنے وطن، دھرتی اور قوم کی بقاء و تحفظ کے لئے جانوں اور لہو کا نذرانہ پیش

جاپانی جنگ بازوں نے
شہر کھنڈرات اور
دیہات ملبے کے ڈھیروں
میں تبدیل کر دیئے



جاپانی فوج کی سپلائی لائن کاٹنے کے لئے چینی عوام رات کو ریلوے لائن اکھیڑ دیا کرتے تھے

کرتے ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ اپنے دیس کے تحفظ کے لئے ہمیشہ محنت کش طبقے نے اپنا لہو پیش کیا ہے اور آخری سانس تک وطن کی حفاظت کی ہے۔ اسی لئے صرف اور صرف محنت کش طبقہ ہی محب وطن اور ملک و قوم کا حقیقی سرمایہ ہے۔ اپنے طبقاتی کردار کی روایت کے مطابق چین کے عوام نے بھی آخری دم تک جاپانی جارحیت کا مقابلہ کرنے کا عزم کیا، چینی عوام اور پرولتاریہ کی جماعت "چینی کمیونسٹ پارٹی نے کومنتانگ اور جنگی سرداروں سے تعاون اور اتحاد کی اپیل کی۔ جسے انھوں نے مسترد کر دیا۔ وہ تعاون بھی کیوں کرتے۔ جب کہ اُن کے اور جاپانی حملہ آوروں کے مقاصد مشترک تھے۔ دونوں جاگیردارانہ استحصالی نظام کے حامی تھے۔ کومنتانگ اور جنگی سرداروں نے یہ موقف پیش کیا کہ "چین ہتھیاروں میں کمتر ہے۔ اس لئے اس جنگ میں ہار جانا یقینی ہے"۔ بعض نے کہا "اگر چین مسلح مزاحمت کرتا ہے تو یہ دوسرا ابی سینیا بن جائے گا"۔ جنگی سرداروں نے یہ موقف اختیار کیا کہ "فیصلہ کن فتح چین کے حق میں نہیں ہو گی۔ چین محکوم ہو جائے گا۔ مصالحت پسندوں نے دعویٰ کیا "جنگ کا تسلسل محکومی پر ختم ہو گا"۔ اور خوش فہم حضرات نے یہ دلیل پیش کی کہ "جاپان زیادہ عرصہ تک جارحانہ کارروائیاں جاری نہیں رکھ سکتا۔ بغیر کسی بڑی جدوجہد کے چین کو فتح حاصل ہو جائے گی چنانچہ جاپانی فوجیں کسی خاص مزاحمت کے بغیر آگے بڑھتی رہیں۔ ۱۹۳۵ء تک جاپان کی پیش قدمی جاری رہی جاپانی فوج شہر بہ شہر فتح حاصل کرتی گئی۔ شہر کھنڈرات اور دیہات ملبے کے ڈھیروں میں تبدیل ہو گئے۔ یہاں تک کہ صوبے ہوپیہ میں جاپانی حکمرانوں نے اپنی پٹھو چینی حکومت قائم کر دی۔ اور اس پٹھو حکومت نے شمالی چین کو جنوبی چین سے علیحدہ کرنے کا مطالبہ کر دیا۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء میں منگولیا کے علاقے پر بھی جاپانی فوج نے دھاوا بول دیا۔ ۱۹۳۷ء میں نانکنگ پر بھی جاپان قابض ہو گیا۔ یہاں جاپانیوں نے حسب روایت عوام کے خون سے ہولی کھیلی، قتل و غارتگری کا بازار گرم ہوا۔ صرف ۱۰ دن میں نانکنگ کی آبادی گیارہ لاکھ سے گھٹ کر ڈھائی لاکھ رہ گئی۔

جب چیانگ کائی شیک اور چینی جنگ باز سردار جاپانی جارحیت سے خائف کبوتر کی طرح آنکھیں بند کئے ہوئے تھے۔ اس وقت چین کے عوام چینی کمیونسٹ پارٹی کے سرخ پرچم تلے اور چیئرمین ماؤزے تنگ کی قیادت میں جاپانی جارحیت کا مقابلہ کر رہے تھے۔ چیئرمین ماؤ نے عوامی جنگ اور طویل جنگ کی حکمتِ عملی اور طریق کار کا تعین کیا۔ چیئرمین ماؤ کی تعلیمات کی روشنی میں کمیونسٹ پارٹی نے عوام کو عوامی جنگ یعنی ایک طویل مدت جنگ کیلئے اُبھارا۔ مزاحمت کے لئے تیار کیا اور اُنھیں منظم کیا۔

عوامی جنگ دُشمن کو تھکا کر مارنے والی جنگ ہے۔ اس میں فیصلہ ایک بڑی لڑائی میں نہیں بلکہ بیشمار چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کے ایک طویل سلسلے سے ہوتا ہے۔ اور چیئرمین ماؤ کے الفاظ میں "دشمن آگے بڑھتا ہے، ہم پیچھے ہٹتے ہیں، دُشمن پڑاؤ ڈالتا ہے۔ ہم اُسے دق کرتے ہیں۔ دُشمن تھک جاتا ہے، ہم حملہ کرتے ہیں۔ دُشمن پیچھے ہٹتا ہے۔ ہم تعاقب کرتے ہیں"۔ چینی عوامی فوج نے افرادی اور مادی طاقت کی کمی کی وجہ سے دُشمن کا براہِ راست مقابلہ نہیں کیا۔ بلکہ جب جاپان چین میں دُور تک گھس گیا، تو اس کی افرادی قوت مختلف دستوں میں بانٹ کر ایک ایک دستے سے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

چین کے بڑے شہروں پر جاپان کا قبضہ ہو چکا تھا۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ شہروں کی بجائے دیہاتوں میں عوامی فوج کے اڈے بنائے جائیں۔ ویسے بھی زرعی ملک ہونے کی وجہ سے چین میں کسانوں کی اکثریت تھی۔ اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے جنگ مزاحمت



آٹھویں بری فوج کا ایک افسر گوریلوں کو تربیت دے رہا ہے

کمیونسٹ پارٹی نے چینی عوام کو طویل مدت کی جنگ کے لئے اُبھارا

کے قائد ماؤزے تنگ نے کہا "چونکہ چین کے اہم شہروں پر طاقتور سامراجیوں کا اور اس کے رجعت پسند چینی حاشیہ برداروں کا بڑی مدت سے قبضہ ہے۔ اس لئے انقلابی صفوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم پسماندہ دیہاتوں کو اپنے ترقی یافتہ مضبوط اڈوں میں تبدیل کر دیں۔ انہیں انقلاب کے عظیم فوجی، سیاسی، معاشی اور ثقافتی قلعے بنا دیں۔ جہاں سے وہ اپنے ناپاک دشمنوں سے نبرد آزما ہوں" اپنے عظیم رہنما کی ہدایت پر عوام نے انقلابی مرکز دیہاتوں میں منتقل کر دیئے اور کسانوں کو منظم کر کے گوریلا جنگ کے طریقِ کار سکھاتے۔ ان کسانوں نے گوریلا جنگ کے کئی نئے طریقے ایجاد کئے جن میں زمینی بارودی سرنگ، زمین دوز راستوں کا طریقِ جنگ اور چڑیلوں کا طریقِ جنگ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

۱۹۳۷ء میں جب نانکنگ میں جاپانی جارحیت پسندوں نے ہلاکو اور چنگیز خاں کے مظالم کو بھی مات کر دیا تو چینی عوام میں جاپان کے خلاف مزید نفرت پیدا ہوئی۔ کومنتانگ کے عوام نے بھی اپنے حکمرانوں کو مزاحمت اور کمیونسٹوں سے تعاون اور اتحاد پر زور دیا۔ بالآخر چانگ کائی شیک کو عوام کے دباؤ کے تحت مجبوراً کمیونسٹوں سے تعاون کرنا پڑا۔ اور جاپانی جارحیت کے خلاف متحدہ محاذ بنایا گیا۔ متحدہ محاذ کا قیام چین کی تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہے چیئرمین ماؤزے تنگ نے زور دیا ہے کہ متحدہ محاذ میں کمیونسٹ کو پہل اور اپنی آزادی برقرار رکھنا چاہئے۔ اور ہر کام متحدہ محاذ پر نہیں چھوڑ دینا چاہئے۔ بلکہ متحدہ محاذ کی قائد کمیونسٹ پارٹی کو ہونا چاہیئے۔ چانگ کائی شیک سے جو متحدہ محاذ بنایا گیا۔ اُس کی قیادت کمیونسٹ پارٹی کے ساتھ تھی۔ چنانچہ اس جنگ میں جو طریقے اختیار کئے گئے وہ چیئرمین ماؤزے تنگ کے بتائے ہوئے تھے۔ انہی اصولوں پر عمل پیرا ہو کر چینی عوام نے ۱۵ سال کی جدوجہد کے بعد جاپانی توسیع پسندوں کو اتنی عبرتناک شکست دی کہ پورے ایشیا پر قبضہ کرنے کے خواب ہی سے اُسے خوف آنے لگا۔

لانگ مارچ

۱۹۳۱ء میں چیئرمین ماؤزے تنگ کی قیادت میں چینی سوویت جمہوریہ قائم ہوئی تو چانگ کائی شیک انقلابیوں کے بڑھتے ہوئے اثر سے اور زیادہ خائف ہوا۔ وہ جاپانی جارحیت کو "جلدی مرض" اور چینی سوویت حکومت کو "عارضۂ قلب" سمجھتا تھا۔ جلدی مرض کی بجائے اس نے عارضۂ قلب سے نجات حاصل کرنے کے لئے شمالی شینی، کیانسو اور آس پاس کے دیگر صوبوں میں قلعے بندیاں کر کے بے شمار اسلحہ جمع کر دیا۔ تاکہ عوامی فوج کو آسانی سے کچل دیا جائے۔ اس کی فوجیں جدید ترین اسلحہ سے لیس اور جرمن فوجی ماہرین کی تربیت یافتہ تھیں۔ جرمن فوجی مشیروں کی ایک جماعت اس کے جنگی منصوبوں کو ترتیب دیتی تھی۔ اکتوبر ۱۹۳۳ء میں جرمن فوجی مشیر جنرل ہنر کے مشورے پر چانگ کائی شیک نے چار لاکھ فوج کے ساتھ سوویت حکومت پر حملہ کر دیا۔ اس حملے میں تقریباً دس لاکھ افراد ہلاک و زخمی ہوئے۔

جاپان کے خلاف جنگ مزاحمت میں دشمن کے نقصانات دسمبر ۱۹۳۶ء تا اکتوبر ۱۹۴۵ء

	جاپانی فوج	پٹھو فوج
ہلاک و زخمی	۵۲۰،۴۶۳	۴۹۰،۱۳۰
گرفتار	۶،۹۵۶	۶۹۶،۵۶۵

الفتح

اس حملے نے چینی سوویت حکومت کو یوشان چھوڑنے اور شمالی چین میں نیان کی طرف جانے پر مجبور کر دیا۔ ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۴ء کو نوے ہزار افراد جن میں کمیونسٹ اور دیگر تمام عوام دوست عناصر شامل تھے۔ یوشان سے روانہ ہوئے۔ ان کی قیادت چیئرمین ماؤزے تنگ کر رہے تھے۔ کامریڈ لن پیاؤ عوامی فوج کے جنرل تھے۔ اور چو این لائی بھی برابر کے شریک تھے۔ یہ سفر جو ایک سال تک جاری رہا۔ لانگ مارچ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ نہ صرف چینی تاریخ بلکہ تاریخِ انسانی کا تابناک ترین واقعہ ہے جس نے ثابت کر دیا کہ حق اور انسانی ہمت کے سامنے کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہو سکتی۔

اس سفر میں بے سروسامانی کی حالت یہ تھی کہ اگنتی کے چند گھوڑے تھے۔ خوراک اور پانی کی شدید قلت تھی۔ اسلحہ نہایت ناقص تھا۔ اور تعداد میں نہایت کم۔ دوسری جانب چانگ کائی شیک کی فوجیں مسلسل ان کا تعاقب کر رہی تھیں۔ ہوائی جہاز بمباری کرتے تھے۔ جگہ جگہ دشمن سے نبرد آزما ہونا پڑتا تھا۔ اس سفر میں ایسے بھی مرحلے آتے جب انھیں گھاس کھانا پڑی اور پانی کی بجائے گھوڑوں کا پیشاب پینا پڑا۔ برف پوش پہاڑوں اور وادیوں سے گزرنا پڑا۔ برفیلے علاقوں میں پانی نایاب تھا۔ چنانچہ برف کو گھول گھول کر پانی بنایا جاتا۔ لوگ تھک کر، چکنا چور ہو کر زمین پر آ رہتے لیکن انہوں نے ہمت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا کیونکہ ان کا عظیم رہنما، چیئرمین ماؤزے تنگ اُن کی ہمت افزائی کر رہا تھا۔ وہ رات کو عموماً اپنی نظموں سے ان کی ہمت بڑھاتے۔ اپنے حصے کا کھانا دوسروں کو دے دیتے۔ اور جب سب لوگ آرام کر رہے ہوتے، اس وقت چیئرمین ماؤ اپنے منصوبے بناتے یا لِن پیاؤ، چو این لائی اور دیگر عوامی فوج کے جنرلوں سے صلاح مشورے کرتے۔

اکتوبر ۱۹۳۵ء میں جب یہ اپنی منزل پر پہنچے تو صرف ۱۸ ہزار افراد اس قافلے کے ساتھ تھے۔ ۷۲ ہزار افراد موت کی آغوش میں سو چکے تھے لیکن اس لانگ مارچ کے بعد چینی کمیونسٹ پارٹی اور چینی سوویت حکومت ملک کی مضبوط ترین طاقت بن گئی۔ چیئرمین ماؤزے تنگ دنیا کے عظیم ترین رہنما کی حیثیت سے اُبھرے اور چانگ کائی شیک کو بھی حقیقت کا اعتراف کرنا پڑا۔ لانگ مارچ کے بعد ہی اس نے سوویت حکومت سے تعاون کیا اور متحدہ محاذ بنایا۔ اور جاپانی توسیع پسندوں کو ملک سے باہر دھکیل دیا۔

جاپان کو شکست دینے کے بعد چانگ کائی شیک چین کے استحصالی نظام کو برقرار رکھنے کے لئے پھر سرگرمِ عمل ہو گیا۔ امریکی سامراج اور اس کے فوجی ماہرین اس کی مدد کر رہے تھے۔ پیکنگ، تین شان، منچوریا ریلوے لائن کی حفاظت امریکی فوجی کر رہے تھے۔ لیکن اب حالات بدل چکے تھے۔ سوویت حکومت جاپانی جنگ مزاحمت کے دوران نہایت طاقتور اور عوام میں جڑیں مضبوط کر چکی تھی۔ جب چانگ کائی شیک نے گرگٹ کی طرح رنگ بدلا تو چین کے عوام کمیونسٹ پارٹی کی قیادت میں مقابلے پر اُتر آئے۔ امریکی سامراج کی امداد کے باوجود چانگ کائی شیک کامیاب نہ ہو سکا۔ اور صرف تین سال کے اندر اندر اس کا اقتدار تائیوان کے ایک چھوٹے سے جزیرہ میں سمٹ کر رہ گیا۔ اور اکتوبر ۱۹۴۹ء میں چینی عوام نے چینی کمیونسٹ پارٹی کے سُرخ پرچم تلے عوامی جمہوریہ چین کے قیام کا اعلان کیا اور چیئرمین ماؤزے تنگ کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو گیا۔

●●●

نکسن نے کہا ”اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا“ صفحہ ۲۱ سے آگے

کی چھٹی منانے کے لئے نیویارک کے شمالی علاقہ پوکانٹیکوہلز چلے گئے انہوں نے ٹیلی فون کے ذریعے رابطہ قائم رکھا۔ موقع واردات پر نہیں گئے۔ معاملہ اتنا اہم نہ تھا۔ وہ محض چند سر پھرے قیدیوں کی ”بغاوت“ پر اپنی چھٹی کے ایام قربان نہیں کر سکتے تھے۔ ویسے بھی وہاں باغیوں کا سر کچلنے کے لئے فوج اسلحہ، بکتر بند گاڑیاں اور فوجی ہیلی کاپٹر موجود تھے۔ ان کی موجودگی ضروری نہ تھی۔

ہنگامہ کے پہلے دن اسوالڈ اور سیاہ فام قیدیوں کے ترجمان کے درمیان گفت و شنید جاری رہی، قیدیوں کی طرف سے کہا گیا ”ہنگامہ کے بعد جیل کے مسلح گارڈ انہیں جسمانی تشدد کا نشانہ بنائیں گے۔ انہیں عدالت سے اس جرم میں سزائیں دلوائی جائیں گی“۔

اسوالڈ نے ایک عدالت کے ذریعہ تحریری معاہدہ کیا کہ انہیں بعد میں ظلم و ستم کا شکار نہیں بنایا جائے گا۔ تحریری یقین دہانی کا متن گنجلک اور غیر تسلی بخش تھا۔ ایک سیاہ فام قیدی جیری روزن برگ نے جس نے جیل ہی میں قانون کی تعلیم حاصل کی تھی۔ تحریری معاہدہ کو قانونی نقطہ نظر سے نامکمل قرار دیا۔ اس نے خدشہ ظاہر کیا کہ اس کے بعد بھی سیاہ فام قیدیوں کو سزائیں دی جا سکتی ہیں“۔ قیدیوں کو اس بات کا بھی خوف تھا کہ اگر انہوں نے چند گارڈوں کو رہا کر دیا تو اسوالڈ بات چیت کا سلسلہ فوراً ختم کر دے گا۔ ان کے سارے مطالبات نامنظور کر دیئے جائیں گے۔ اور انہیں مار اپیٹا جائے گا۔ اسی درمیان ایک گارڈ کی تن کی موت کی خبر پھیل گئی۔ اس خبر کے ساتھ ہی بات چیت کی نوعیت تبدیل ہو گئی۔ اسوالڈ نے عام معافی دینے سے انکار کر دیا۔ مجرموں پر مقدمہ چلایا جائے گا۔ اور اگر جرم ثابت ہو گیا تو انہیں سزا دی جائے گی۔ قیدیوں کو بھی اس بات کا احساس ہو گیا کہ یہ سفید فام اپنے ایک ساتھی کا بدلہ لینے کے لئے کئی سیاہ فام قیدیوں کی زندگی سے کھیلنے کی کوشش کریں گے، اسوالڈ اور قیدیوں کے درمیان ہونے والے مذاکرات ختم ہو گئے۔ گارڈوں نے دروازے کو مہر لگا کر بند کر دیا۔

اسوالڈ نے ٹیلی فون پر راک فیلر سے گفتگو کی اور قیدیوں سے آخری بار یرغمال بنائے جانے والے گارڈوں کو رہا کرنے کا مطالبہ کیا۔ یہ آخری الٹی میٹم تھا۔ اتوار کا پورا دن اسی کشمکش میں گذر گیا۔ اسوالڈ اور گورنر راک فیلر نے قیدیوں کے مطالبات تسلیم کرنے کی بجائے پیر کی صبح کو ایک ہولناک ڈرامہ کھیلنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ایک سفید فام گارڈ کا خون رائیگاں جانے نہیں دیا جائے گا۔ تنگ نظر سفید فاموں کا یہ آخری فیصلہ تھا۔

اِدھر قیدیوں نے عارضی بچاؤ کے لئے گڑھے کھودنے شروع کر دیئے۔ کسی کے ہاتھ میں لکڑی کا ٹوٹا ہوا تختہ تھا اور کسی کے ہاتھ میں کھانے کا چھوٹا سا چمچہ تھا۔ وہ نہتے تھے غیر محفوظ تھے مگر انسان کی طرح زندہ رہنا اور مرنا چاہتے تھے ان کا عزم بلند تھا اور حوصلے بڑھے ہوتے تھے۔ گیٹ کی دوسری طرف مسلح پولیس اور گارڈ سیاہ فام قیدیوں کو خون میں نہلانے کے لئے بے چین تھے وہ اٹیکا جیل کو جہنم میں تبدیل کرنے کے لئے مضطرب تھے

گھڑی کی سوئی ۹:۴۴ بجا رہی تھی۔ لاؤڈ اسپیکر پر ایک کرخت آواز گونجی ”حملہ شروع کر دو“، اس حکم کے ساتھ ہی مسلح امریکی پولیس کی شاٹ گن، رائفلیں آگ اگلنے لگیں۔

اٹیکا جیل کو جہنم بنانے کا کھیل شروع کر دیا گیا۔



جناب بھٹو کوئٹہ میں پارٹی کے رہنماؤں (دائیں سے) نواب غوث بخش رئیسانی - نواب یوسف علی مگسی - سعید عباس زیدی
طاہر محمد خاں اور دوسرے کارکنوں کے ساتھ

بلوچستان کے وسائل سے بلوچستان کے عوام محروم ہیں

محمود شام

میں پانچ سے ساڑھے پانچ بجے صبح یمک حبیب بنک نرسری برانچ کے سامنے فاروقی کا انتظار کرتا رہا مگر وہ نہ آئے، میں نے زیادہ انتظار کو اپنے لئے نقصان دہ سمجھا اور ٹیکسی لے کر ایئرپورٹ چل پڑا۔ چند لمحوں بعد ڈاکٹر مبشر گاڑی سے اترتے دکھائی دیئے دوسری طرف "نئے زمانہ" کے فصیح اقبال بھی اپنی مخصوص مسکراہٹ سمیت آگئے ابھی ہم بات کر ہی رہے تھے کہ بھٹو صاحب بھی پہنچ گئے ساتھ میں مصطفےٰ کھر تھے۔ کاؤنٹر کی طرف چلے تو جنگ کے کرامت اللہ اور اے پی پی کے اقبال قریشی نظر آئے۔ وہ رات پریس کلب میں گزارنے کے بعد ۳ بجے ایئرپورٹ پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے چلتے چلتے بھٹو صاحب سے بات شروع کی تو پیچھے سے آواز آنے لگی "سر! میں بھی آپ کے ساتھ ہوں" یہ مشرق کے علی اختر رضوی تھے وہ بھٹو صاحب پر جھنجلا رہے تھے کہ وہ ان کے اجلاس کی رپورٹنگ کے لئے ساتھ جا رہے ہیں کرامت اللہ نے اپنے بھاری بھرکم جثے لیکن نہایت دھیمے لہجے میں گلہ کیا کہ "آپ کچھ رپورٹروں کو ساتھ لے جا رہے ہیں" بھٹو صاحب نے کہا کہ "نہیں میں کسی کو ساتھ نہیں لے جا رہا سب اپنے طور پر جا رہے ہوں گے۔ میں صرف محمود شام کو لے جا رہا ہوں کیونکہ یہ ہمارے اخبار سے تعلق رکھتے ہیں" اس پر کرامت اللہ قسطوں میں ہنس کر خاموش ہو گئے۔ میں فصیح اقبال اور علی اختر رضوی کاؤنٹر کی طرف چلے گئے۔ بھٹو صاحب وی آئی پی لاؤنج میں۔ وہاں کرامت اللہ اقبال قریشی ان سے EXCLUSIVE STORY لینے لگے۔

فوکر میں بیٹھ چکے تو حنیف سومرا آتے دکھائی دیئے انہوں نے کھڑکی میں سے بھٹو صاحب کو الوداع کہا جہاز موہنجوڈارو/لاڑکانہ سے ہوتا۔ بلوچستان کے خشک پہاڑوں پر اڑنے لگا۔ لق و دق، ویرانیاں اور کچھ نہیں ہمیں کوئٹہ ایئرپورٹ پر پہنچے تو خنکی کا احساس ہوا۔ ایئرپورٹ



سنٹرل کمیٹی کے اجلاس کے اختتام پر مسٹر بھٹو کوئٹہ کے عوام میں گھر گئے



آغا علی بلیدی (دائیں سے پہلے) نے تیسرے روز پیپلز پارٹی کے وفد کے اعزاز میں عشائیہ دیا



بلوچستان سے مرکزی کمیٹی کے رکن طاہر محمد خاں (دائیں سے تیسرے) مسٹر بھٹو کے ساتھ

پر طاہر محمد خان، امان اللہ گچکی، یوسف مگسی، غوث بخش ریکسانی، سعید عباس زیدی اور کوئٹہ کے مقامی کارکن اور رہنما بڑی تعداد میں موجود تھے، کوئٹہ میں یہ نظم و ضبط بھی دیکھنے میں آیا کہ استقبال کرنے والے ہجوم کی بجائے کئی لمبی قطاروں میں کھڑے تھے بھٹو صاحب نے ایک دو چکر لگا کر سب کے استقبالیہ نعروں کا ہاتھ ہلا کر جواب دیا۔ پھر ائیرپورٹ کے ریسٹوران میں اخبار نویسوں میں گھر گئے۔

پہلے انہوں نے استقبال کرنے والوں کا شکریہ ادا کیا اور بتایا کہ "ہم نے اپنی مرکزی کمیٹی کا اجلاس کوئٹہ میں اسی لئے رکھا ہے کہ ہم بلوچستان کے صوبے کو بہت اہمیت دیتے ہیں یہ ایک پسماندہ صوبہ ہے ماضی میں اس صوبے کے ساتھ بہت زیادتیاں ہوئی ہیں اگر ہماری جدوجہد کامیاب رہے گی۔ تو اس صوبے کو بھی یقیناً اس کے پورے حقوق ملیں گے۔ پیپلز پارٹی بلوچستان کے غریب عوام کے حقوق کے لئے جدوجہد کرے گی۔ بلوچستان کے وسائل پر جن چند لوگوں نے قبضہ کر رکھا ہے۔ انہیں عوام میں تقسیم کیا جائے گا۔ اگر بلوچستان کی طاقت بڑھے گی تو عوام کی طاقت بڑھے گی"۔ یہاں پاکستان ٹائمز کے طاہر موجود تھے ان کے ہوتے معمولی سا انٹرویو بھی اچھی خاصی پریس کانفرنس بن جاتا ہے۔ انہوں نے سوالات کی لائن لگا دی۔ بھارتی جارحیت سے لے کر پیپلز پارٹی میں انتخابات تک کوئی بات ایسی نہ رہی جو انہوں نے نہ پوچھی ہو — بھٹو صاحب نے کہا کہ ہم اپنے ملک کی حفاظت کے لئے ہر قربانی دینے کو تیار ہیں پیپلز پارٹی کی طاقت عوام کی طاقت ہے۔ عوام کی طاقت سے نہ صرف بھارت بلکہ پوری دنیا کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ بگٹی صاحب کے بارے میں انہوں نے کہا کہ ہمارے ان سے خاندانی تعلقات ہیں سیاسی نوعیت کے تعلقات نہیں ہیں نیپ سے معاہدہ کے سلسلے میں انہوں نے کہا کہ سیاست میں معاہدے اور مصالحت کے امکانات تو رہتے ہیں۔ ہماری جماعت اصولی جماعت ہے ہمارا معاہدہ ہر ایک سے ہو سکتا ہے مگر سرحد کی ایک بوگس جماعت سے ہمارا معاہدہ مشکل ہی نہیں ناممکن ہے کوئٹہ میں ایک فارورڈ بلاک بنایا گیا ہے۔ اس کے بارے میں بھٹو صاحب نے جواب دیا فارورڈ بلاک دائیں بازو کی جماعتوں میں بن سکتے ہیں ایک بائیں بازو کی جماعت میں فارورڈ بلاک کیسے بن سکتا ہے پارٹی

میں انتخابات کے بارے میں انہوں نے جواب دیا کہ پارٹی میں انتخابات کے لئے میں بھی بے تاب ہوں لیکن الیکشن وقت پر ہوں گے۔ اس وقت ہم ملک کے بنیادی مسائل کی طرف توجہ دے رہے ہیں بحران گذر جائے، تو پارٹی کے الیکشن بھی ہوں گے۔ سمنگلی ایرپورٹ سے کوئٹہ چھ سات میل دور ہے۔ استقبال کے لئے آنے والے ٹرکوں بسوں سے واپس جا رہے تھے مہمان کاروں میں، فصیح اقبال کوئٹہ کے بھی ہیں کراچی کے، ہمارے ساتھ وقت یہی ہے کہ وہ جہاں ہوں میزبان بن جاتے ہیں، یہاں بھی میزبان کے فرائض انجام دیتے ہوئے انہوں نے مجھے اور علی اختر رضوی کو لفٹ دی۔ بھٹو صاحب لورڈز ہوٹل میں ٹھہرے کھر صاحب مولانا کوثر نیازی، ڈاکٹر مبشر حسن، شیر پاؤ، عبدالحفیظ پیرزادہ، رفیع رضا اور رحیم صاحب بھی وہیں تھے۔ میر رسول بخش تالپور، مخدوم زماں طالب المولیٰ نواب زاہد علی خاں، مسعود زاہدی، قاسم چودھری کمال حسین رضوی، تاج محمد لنگاہ، جسٹس فیض اللہ خان حبیب اللہ، شیر محمد خان، محمود علی قصوری، شیخ رشید، افضل وٹو، سردار محمد اسلم، بلدیہ ہاؤس میں۔ ہم بھی بلدیہ ہاؤس میں چلے گئے۔ حنیف رامے صاحب کے عزیز یہاں رہتے ہیں۔ معراج محمد خاں سڑک کے ذریعے اپنے اہل و عیال سمیت آئے تھے یہاں اپنے بھائی کے ہاں ٹھہرے، میٹنگ ۱۲ بجے شروع ہوئی۔ علی منزل میں میٹنگ ۴ بجے تک جاری رہی بریفنگ کے لئے وقت رات کا رکھا گیا میٹنگ ہال کے باہر امداد حسین بلوچ کوئٹہ کے ایک اہم کارکن ہماری رہنمائی کے لئے موجود تھے کوئٹہ کے کارکن بڑے منظم انقلابی اور پرجوش ہیں۔

۴ بجے میٹنگ کے شرکا دوپہر کے کھانے کے لئے فرح ریسٹورنٹ میں گئے یہ ریسٹورنٹ کراچی کے کیفے گرینڈ سے ملتا جلتا ہے خوبصورت اور پرسکون دوسرا اجلاس ۶½ بجے کے قریب شروع ہوا۔ اتنے عرصہ میں الطاف رانا کے ساتھ شہر میں گھومتا رہا۔ مختصر سا شہر ہے ایک چکر میں طے ہو جاتا ہے "گوشۂ ادب" میں جھانک لیا، مارکٹیں دیکھ لیں، خان عبدالصمد اچکزئی کا سادہ سا مکان بھی دیکھا، ملاقات نہ ہو سکی۔

۹ بجے کے قریب علی منزل کے ایک بیڈ روم میں مولانا کوثر نیازی سیکرٹری اطلاعات نے میٹنگ کے متعلق اخبارات کو بریفنگ دی انہوں نے بتایا کہ



نواب یوسف علی مگسی نے اپنے عشائیے میں مسٹر بھٹو کو ایک بندوق تحفہ میں پیش کی

سرداری نظام میں جبر و تشدد انتہا کو پہنچ گیا ہے

۱۲۷ ارکان میں سے صرف ایک خورشید حسن میر کسی مصروفیت کی بنا پر نہ آسکے۔ باقی سب ارکان شامل تھے، کچھ خصوصی مدعوئین بھی تھے۔ ان میں پیپلز پارٹی کی دستوری کمیٹی کے رکن رفیع رضا، بلوچستان پیپلز پارٹی کے صدر امان اللہ خان گچکی، صوبہ سرحد سے خان حبیب اللہ، مشرقی پاکستان سے قاسم چودھری اور کمال حسین رضوی شامل تھے۔

مولانا کوثر نیازی نے بتایا کہ آج کے اجلاس میں ملکی صورت حال کا جائزہ لیا گیا، بلوچستان سرحد اور مشرقی پاکستان کے حالات زیر بحث آئے، تنظیمی مسائل پر بھی بات ہوئی۔ بلوچستان کے سلسلے میں بات چیت میں اس کی پسماندگی خاص طور پر زیر غور آئی۔ قبائلی نظام میں جو جبر و تشدد ہوتا ہے، اس پر بات ہوئی، یہاں پارٹی کی تنظیم پھیلانے کے مختلف طریقوں پر غور کیا گیا۔ سنٹرل کمیٹی نے چیئرمین کے اس اعلان کی توثیق کی کہ پیپلز پارٹی ضمنی انتخابات میں حصہ لے گی ضمنی انتخابات میں حصہ لینے کا لائحہ عمل تیار کرنے کے لئے جو کمیٹی بنائی گئی تھی، اس کے چیئرمین جے ایم

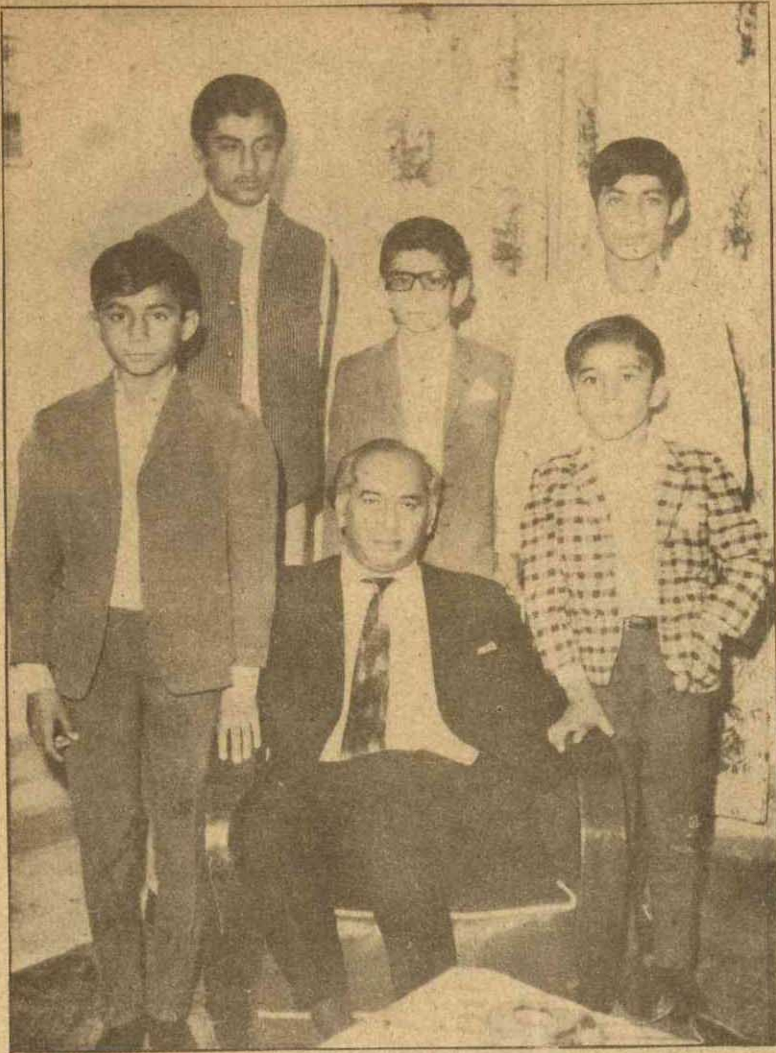
رحیم تھے۔ باقی ارکان میں میاں محمود علی قصوری، حیات محمد شیرپاؤ، مصطفےٰ کھر، مولانا کوثر نیازی، معراج محمد خان اور ڈاکٹر مبشر، قاسم چودھری اور کمال حسین رضوی شامل تھے اس سب کمیٹی کا اجلاس اس رات گیارہ بجے ہوا اور اگلے روز انہوں نے اپنی سفارشات پیش کی۔

مولانا کوثر نیازی نے بتایا کہ آج کے اجلاس میں خان عبدالصمد اچکزئی کا خط بھی پڑھا گیا جو انہوں نے چیئرمین کو لکھا ہے۔ اس میں انہوں نے یہ پیش کش کی کہ وہ اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت سنٹرل کمیٹی کے سامنے کرنے کو تیار ہیں سنٹرل کمیٹی کی طرف سے اچکزئی صاحب کو اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کی دعوت کل دے دی گئی ہے۔

اس میٹنگ میں صدر یحییٰ اور چیئرمین بھٹو کے مذاکرات بھی زیر غور آئے

رات کو نواب غوث بخش رئیسانی کی طرف سے عشائیہ تھا، شہر سے خاصی دور ان کی وسیع و عریض کوٹھی ہے پانی بلوچستان میں بہت کم ہے اس لئے کوٹھی میں دھول اڑ رہی تھی، ہمیں فصیح اقبال صاحب نے بھی اس کھانے کے لئے خاص طور پر دعوت دی تھی کھانے کے بعد کوئٹے کی خنکی کا سامنا کرتے ہوئے بلدیہ ہاؤس لوٹ آئے، صبح اٹھے تو پی پی آئی کے فاروق معین بھی صبح کی فلائٹ سے آ ملے۔

آج سنٹرل کمیٹی کا اجلاس حاجی فتح خان مرحوم کے شوروم کے اوپر منعقد ہو رہا تھا۔ درمیانی وقفے میں ہم گوشۂ ادب گئے، عابد بخاری سے ملاقات ہوئی پھر واپسی پر سنٹرل کمیٹی کے اجلاس کے اختتام پر مولانا کوثر نیازی اخبار نویسوں سے ملنے نیچے اترے انہوں نے بتایا کہ ابھی کوئی خاص بات بتانے کے لئے نہیں ہے، رات کو ۸ اور ۹ کے درمیان بریفنگ ہوگی۔ میں نے پوچھا کہ اگر مشرقی پاکستان جانے والے وفد کے نام طے ہو گئے ہوں تو وہی بتا دیجئے۔ انہوں نے بتایا کہ ہاں وہ نام لے لیجئے۔ اس وفد کے لیڈر میاں محمود علی قصوری ہیں۔ اس میں ڈاکٹر مبشر، مولانا کوثر نیازی، ملک معراج خالد، معراج محمد خان، عبدالحفیظ کاردار، ملک محمد اختر، طارق عزیز اور کمال اظفر شامل ہیں یہ وفد ۱۰ اکتوبر سے ۲۵ اکتوبر تک مشرقی پاکستان میں قیام کرے گا اور انتخابی مہم میں حصہ لے گا۔ آج بھٹو صاحب اور ان کے چند ساتھیوں کا دوپہر کا کھانا



نواب غوث بخش رئیسانی کے بچے مسٹر بھٹو کے ساتھ

خان عبدالصمد اچکزئی کے ہاں ڈرائنگ روم نہیں ایک بیٹھک ہے

سردار اکبر بگٹی کے ہاں تھا۔ ہم شہر میں گھومنے چلے گئے۔ کوئٹہ میں غیر قانونی طور پر درآمد شدہ یعنی اسمگلنگ کا مال، عام بازاروں میں بکتا ہے۔ ملک کے دوسرے حصوں کے آنے والے لوگ اسے نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر دھڑا دھڑ خریدتے ہیں۔ ان دنوں بھی بازاروں میں بہت رش تھا۔ افغانستان اور ایران سے چھپ چھپا کر جان جوکھوں میں ڈال کر لایا ہوا مال دکانوں میں سجا ہوا ہے اس کے لئے بھی جیب بہت بھاری ہونی چاہیے، پیسہ اپنے پاس ہو تو کراچی میں بھی یہ چیزیں مل جاتی ہیں تلاش کی بات ہے، اپنے ملک میں تو سب کچھ چلتا ہے۔

شام کی میٹنگ کے بعد معلوم ہوا کہ چیئرمین بھٹو کل صبح یعنی ۱۵ کو نہیں جا رہے ہیں۔ کیونکہ آج مرکزی کمیٹی کا اجلاس خاصا طویل ہو گیا۔ اور بھٹو صاحب کارکنوں سے خطاب نہ کر سکے اس لئے وہ ایک روز کے لئے ٹھہر گئے ہیں۔ اس میٹنگ میں یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ دسمبر میں اسمبلی کا اجلاس بلایا جانا چاہیے اگر ایسا نہ ہوا تو جمہوریت کبھی بحال نہ ہو سکے گی۔ اس اجلاس میں زیادہ تر ان فیصلوں کی توثیق کی گئی ہے جو اب تک پارٹی نے مختلف سطح پر کئے تھے۔

اسی رات بلوچستان کے محکمۂ اطلاعات کے ڈائرکٹر مرزا حامد علی بیگ صاحب سے بھی ملاقات ہوئی لاہور میں جب میں ہفت روزہ "قندیل" میں تھا۔ ان دنوں

باقی صفحہ ۴۲ پر ملاحظہ فرمائیں

پاکستان تمباکو کمپنی اور فیاٹ میں حیرت انگیز معاہدہ

عبدالحمید چھاپرا

کراچی: صدارتی کابینہ کے ایک سابق وزیر مسٹر احسان الحق ستارہ قائد اعظم کو پاکستان تمباکو کمپنی کے حصص یافتگان کے ۴۳ سالانہ اجلاس میں کمپنی کا ڈائریکٹر منتخب کر لیا گیا۔

مسٹر احسان الحق اگست ۱۹۶۹ء میں صدارتی کابینہ میں، وزیر تجارت کی حیثیت سے شمولیت سے قبل پاکستان تمباکو کمپنی کے ایک ڈائریکٹر تھے۔ نیز مارچ ۱۹۷۱ء میں جیسے ہی جنرل یحییٰ خان نے صدارتی کابینہ توڑی مسٹر احسان الحق دوبارہ اپنی کمپنی میں واپس آ گئے اور اس وقت سے مشرقی بازو میں کمپنی کی سرگرمیوں کی نگرانی کر رہے ہیں۔

ڈائریکٹر کی حیثیت سے ان کا الیکشن حصص یافتگان کے عام اجلاس میں ہوا جس کی حصص یافتگان نے منظوری دے دی یاد رہے کہ مشترکہ سرمایہ کمپنی کی ڈائریکٹرشپ ایک منافع بخش آسامی ہے (ایک خبر)

معتبر ذرائع سے پتہ چلا ہے کہ ملک کے ممتاز تمباکو اور سگریٹ ساز ادارے پاکستان تمباکو کمپنی نے اٹلی کے مشہور تجارتی وصنعتی ادارے فیاٹ (FIAT) سے تبادلہ اشیاء کا ایک معاہدہ کیا ہے جس کے تحت پاکستان تمباکو کمپنی اٹلی کی فرم کو بیس لاکھ ڈالر کی مالیت کے تمباکو کے پتے مہیا کرے گی جس کے بدلے میں اٹلی کی فرم بسوں کی ۲ سو پچاس (سی ای سی CHA) پاکستان تمباکو کمپنی کو بھیجے گی، باخبر ذرائع نے اس امر کی تصدیق کی ہے کہ حکومت نے اس سودے کی منظوری دیدی ہے۔

پاکستان تمباکو کمپنی اور فیاٹ اٹلی کے اس معاہدے سے متاثر ہونے والے حلقوں نے اس معاہدے پر حیرت کا اظہار کیا۔ ان کے خیال میں اصولی طور پر نجی شعبے میں تبادلہ اشیاء کا معاہدہ نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ اس سودے سے ظاہری طور پر ملک (پاکستان) کو ۲۵ لاکھ روپے کی مالیت کا نقصان ہوگا پتہ چلا ہے کہ تمباکو کے برآمد کنندگان نے حکومت کی طرف سے اس سودے کی منظوری کے خلاف شدید احتجاج کیا ہے۔ انہوں نے الزام لگایا ہے کہ تبادلہ اشیاء کی اجازت صرف ایک پاکستانی فرم کو دے کر مقابلے کے اصول سے روگردانی کی گئی ہے جس کے تحت درآمدات مناسب نرخوں پر اور برآمدات مقابلتاً زیادہ سے زیادہ داموں پر کی جاتی ہیں۔ برآمد کنندگان نے اس خدشے کا بھی اظہار کیا ہے کہ اس سودے میں پاکستان کو تمباکو کی اطمینان بخش مالیت وصول نہیں ہوگی۔

معلوم ہوا ہے کہ پاکستان آٹوموٹیو مینوفیکچررز اور اسمبلرز ایسوسی ایشن نے بھی اس سودے کی سرکاری منظوری پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے انہوں نے الزام لگایا ہے کہ پاکستان میں اسمبلی اور مینوفیکچرز کے لئے فیاٹ منظور شدہ نہیں ہے۔

پاکستان سے کروڑوں روپے کا زرمبادلہ باہر جا رہا ہے

لہٰذا اس غیر منظور شدہ میک کی بس چیسس کی درآمدت سے پرزوں کی کمی کی صورت میں نت نئے مسائل پیدا ہوں گے اس کے علاوہ ملک میں فیاٹ بسوں اور ٹرکوں کی مرمت کے لئے مناسب سہولتیں ہیں۔

ان کا کہنا ہے کہ فیاٹ چیسس کی درآمدات کے بعد ضروری فاضل پرزوں کی درآمدات پر کافی خرچ ہوگا اور اس طرح زرمبادلہ کے حصول کے لئے مسائل اور مشکلات میں مزید اضافہ ہوگا۔

تمباکو کے برآمد کنندگان اور اسمبلرز نے دعویٰ کیا ہے کہ انہیں اگر پاکستان تمباکو کمپنی سے مقابلہ کا موقع دیا جاتا تو اس سودے سے ملک کو ہونے والے نقصان سے بچایا جا سکتا تھا۔ انہوں نے غیر منظور شدہ فیاٹ کے مقابلہ میں پاکستان میں منظور شدہ میک کی بسوں کی چیسس مقابلتاً کفایت اور سستے نرخوں پر درآمد کی ہوتیں اور تمباکو کی برآمدات سے بھی زیادہ زرمبادلہ کمایا ہوتا۔ اس طرح پاکستان کو دونوں صورتوں یعنی بسوں کی درآمدات اور تمباکو کی برآمدات میں فائدہ ہوتا۔

ان حلقوں کے مطابق پاکستان تمباکو کمپنی اور فیاٹ اٹلی کے معاہدے کے تحت ایک فیاٹ بس کی لاگت اور کرایہ کی مالیت سی، اینڈ ایف وبلیو تقریباً بیس ہزار روپے ہوگی۔ جبکہ ملک میں جن میکس کی اسمبلی اور مینوفیکچرنگ کی سہولتیں مہیا ہیں ان کی بسوں کی فی بس لاگت تقریباً تیرہ ہزار روپے ہوگی۔ اس طرح فی بس تقریباً سات ہزار روپے کی بچت ہو سکتی تھی۔ لیکن اب دو سو پچاس بسوں کی درآمدات پر تقریباً اٹھارہ لاکھ روپے نقصان ہوگا۔ نیز ایک محتاط تخمینے کے مطابق فاضل پرزوں اور مرمت اور دیکھ بھال میں تقریباً سات لاکھ روپے مزید خرچ ہوں گے، اس طرح مجموعی طور پر ۲۵ لاکھ روپے کی مالیت کا نقصان ہوگا۔ اس کے علاوہ جن نرخوں پر تمباکو برآمد کرنے کا سودا ہوا ہے اور جن نرخوں پر مقابلے کی صورت میں دوسرے برآمد کنندگان تمباکو فروخت کرتے اس فرق کو اگر دیکھا جائے تو اس سودے میں ملک کے نقصان میں مزید اضافہ ہوگا۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ پاکستان تمباکو کمپنی کے حصص کی جملہ مالیت میں ۶۳ فیصد حصص غیر ملکیوں کی ملکیت ہیں لہٰذا اس سودے سے پاکستان تمباکو کمپنی کو جو منافع ہوگا اس میں سے ۶۳ فیصد زرمبادلہ کی صورت میں بیرونی ممالک کو بھیج دیئے جانے سے ملکی معیشت کو مزید دھچکا لگے گا۔

اس سودے سے ہونے والے ظاہری اور باطنی نقصان کے علاوہ غیر منظور شدہ میک کی چیسس کی درآمدات سے ملک کے آٹوموبائیل یونٹس کی کارکردگی کے بھی بُری طرح متاثر ہونے کا امکان ہے۔ کیونکہ یہ یونٹ پہلے ہی سے اپنی گنجائش سے کم کام کر رہے ہیں۔

پاکستان تمباکو کمپنی جو کہ ایک مشترکہ سرمایہ کمپنی ہے کا ۱۹۵۶ء میں اسٹاک ایکسچینج میں اندراج ہوا۔ اس وقت اس کمپنی کا ادا شدہ سرمایہ پانچ کروڑ پچاس لاکھ روپے تھا ۱۹۶۱ء میں کمپنی نے حصص یافتگان میں ڈیڑھ کروڑ روپے کی مالیت کے رائٹ حصص تقسیم کئے ۱۹۶۵ء میں مزید ایک کروڑ اسی

باقی صفحہ ۴۴ پر ملاحظہ فرمائیں

جوہر میر

ہوچی منہ

دھواں دھواں ہے کھنڈر کھنڈر ہے تری زمیں تیرا آستانہ
ہے ریزہ ریزہ تری کہانی ہے پارہ پارہ ترا فسانہ

ہر ایک ذرہ تری جبیں ہے ہر اک جبیں پہ تری شکن ہے
ہر ایک دل میں تری تڑپ ہے ہر اک تڑپ تیرا بانکپن ہے

شجر شجر ہے زبان تیری، ثمر ثمر ہے پیام تیرا
ہر ایک بندوق کے دہن سے سنائی دیتا ہے نام تیرا

ہر اک نظر میں تری بلندی، ہر ایک سر میں غرور تیرا
ہر اک جیالا ضیا ضیا ہے، کرن کرن، نور نور تیرا

وہ آسماں جو تری زمیں کی ردائے تقدیس بن چکا ہے
اٹا ہوا ہے دھوئیں سے پھر بھی تمام عالم پہ چھا گیا ہے

وہ پھول جن کو ترے مجاہد لہو سے سیراب کر رہے ہیں
وہ رزقِ امیدِ ایشیا ہیں، وہ ایشیا میں نکھر رہے ہیں

مرے مجاہد، مرے سپاہی، مرے جوانمرد ایشیائی
تری جوانی پیمبری ہے، ترا بڑھاپا ہے ناخدائی

تری محبت کے زمزموں نے سکوتِ ظلمت کو توڑ ڈالا
تری وفاؤں کے دمدموں نے سب ایشیا کو جھنجھوڑ ڈالا

ترے عزائم دہکتے سورج کی دلگدازی کے نامہ بر ہیں
ترے ارادے قفس گزیدہ وطن پرستوں کے بال و پر ہیں

ورق ورق تیری زندگی کا عمل کی انجیل بن گیا ہے
سخن سخن لفظ لفظ تیرا دلوں میں قندیل بن گیا ہے

تری غریبی کے حوصلوں نے بھرم امارت کا کھول ڈالا
لہو لہو انگلیوں نے تیری، نئی کہانی کا ڈول ڈالا

قلم قلم کی زبان تک تیری شاعری درد بن کے پہنچی!
کدورتوں کے ہر ایک آئینہ خانے تک گرد بن کے پہنچی!

تری امنگوں کے سرخ شعلے تری تمناؤں کے پھریرے
حصارِ ظلمت پہ چھا رہے ہیں ترے نکھرتے ہوئے سویرے

تری جدائی کو کیسے کوئی تری جدائی کا درد سمجھے
غبارِ انوارِ آدمیت کو کس طرح کوئی گرد سمجھے

نہ جسم تیرا تھا جسم تیرا نہ جان تیری تھی جان تیری
ہر ایک سینے میں تیرا دل تھا ہر اک دہن میں زبان تیری

وہ جسم جو سامراجیوں کے دلوں پہ ناسور بن گیا تھا
وہ جسم تو پابرہنہ لشکر کی راہ میں نور بن گیا تھا

میں کیسے مانوں کہ ایشیا آج تجھ سے محروم ہو گیا ہے
میں کیسے سمجھوں کہ نام تیرا جہاں سے معدوم ہو گیا ہے

کہ تیرے بیٹے ترے جیالے ترے اصولوں پہ چل رہے ہیں
بموں کی بارش میں مسکراتے، دہکتے پھولوں پہ چل رہے ہیں

ترے بیٹے کہ جن کے پیکر میں تیرا پرسوز ولولہ ہے
یہ تیرے بیٹے کہ جن کے سینوں میں تیرا عزم اور حوصلہ ہے

ترے عمل کی کہانیاں ہیں یہ تیرے بیٹے ترے جیالے
چراغِ زندانِ ایشیا ہیں کرن کرن یہ ترے اجالے

امین

مشرقی پاکستان میں لُوٹ کھسوٹ کے علمبردار

الفتح رپورٹ

پاکستان کی کاروباری دنیا میں امین گروپ ساتویں نمبر پر ہے۔ آزادی سے پہلے یہ خاندان چمڑے اور کھالوں کا معمولی تاجر تھا۔ دراصل مسلمانوں کیلئے یہ کاروبار بہت ہی منافع بخش تھا۔ کیونکہ ہندو اور سِکھ مذہبی روایات کی وجہ سے اس کاروبار کے پاس بھی نہیں پھٹکتے تھے۔

امین جس نے اس کاروبار کی بنیاد رکھی تھی لاولد مر گیا اور اب اُس کی جگہ اس کا بھتیجہ اے جلیل اس عظیم صنعتی سلطنت کا فرمانروا ہے۔

۱۹۴۷ء میں آزادی کے فوراً بعد یہ گروپ مشرقی پاکستان پر حملہ آور ہُوا — ہندوؤں کے چلے جانے کی وجہ سے جیوٹ کی مارکیٹ خالی پڑی تھی۔ امین تو اجارہ داری کے عادی تھے ہی، فوراً جیوٹ مارکیٹ پر چھا گئے اور دو عدد کمپنیوں کی بنیاد رکھ دی۔ پاک جیوٹ بیلرز محض آٹھ لاکھ روپے سے شروع کی گئی اور امین جیوٹ ملز کی سیکنڈ ہینڈ مشینری کو ٹھیک ٹھاک کرکے ایک کروڑ ۲۵ لاکھ کے سرمائے سے قائم کی گئی۔ اس طرح ۱۹۵۵ء تک امین کا مجموعی اداشدہ سرمایہ صرف ۱۳۳ لاکھ تھا۔ اور ۱۴ سال کے عرصے میں اس میں ۵،۳ فیصد کے حساب سے اضافہ ہُوا اور ۱۹۶۹ء تک یہ رقم ۸۵۵ لاکھ تک پہنچ گئی۔

امین گروپ کی سات کمپنیاں جو کراچی اسٹاک ایکسچینج کی فہرست پر آچکی ہیں۔ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱ — پاک جیوٹ بیلرز
۲ — امین جیوٹ ملز
۳ — امین ٹیکسٹائلز
۴ — پاکستان نیشنل آئلز
۵ — ای۔بی۔سی کے کولڈ سٹوریج
۶ — نیشنل ریفائنری
۷ — امین فیبرکس

۱۹۶۶ء میں ان سات کمپنیوں کا مجموعی اداشدہ سرمایہ کوئی ۶۵۱ لاکھ ہو چکا تھا۔ لیکن (ASSETS) ۲۷۱۵ لاکھ سے کسی صورت میں بھی کم نہ تھے۔

اس گروپ کے کاروباری انداز کریسنٹ اور ولیکا سے ملتے جلتے ہیں۔ انہوں نے تین مینیجنگ ایجنسیز بنا رکھی ہیں جو سات رجسٹرشدہ کمپنیوں کا کاروبار چلاتی ہیں۔ ان مینیجنگ ایجنسیز کے نام یہ ہیں۔

۱۔ امین ایجنسیز لمیٹڈ:

یہ ایجنسی امین جیوٹ ملز، امین ٹیکسٹائلز اور ای بی سی کولڈ سٹوریج کو کنٹرول کرتی ہے۔

۲۔ امین برادرز لمیٹڈ:

نیشنل ریفائنری اور امین فیبرکس اس ایجنسی کے دائرہ کار میں آتے ہیں۔

۳۔ حسن برادرز:

پاک جیوٹ بیلرز کے کاروبار کی ذمہ دار ہے

مندرجہ ذیل گوشوارے سے امین گروپ کی پانچ سالہ ترقی کی رفتار کا جائزہ لیجئے

سال	امین کا مجموعی اداشدہ سرمایہ کروڑوں میں
۱۹۵۵ء	۱
۱۹۶۰ء	۱
۱۹۶۵ء	۶
۱۹۶۹ء	۹

۱۹۶۰ء اور ۱۹۶۵ء کے دوران امین گروپ کی ترقی کی رفتار حیرت انگیز حد تک تیز رہی۔ اس پانچ سالہ منصوبے کے دوران امین ٹیکسٹائلز، پاک نیشنل آئلز، ای بی سی کولڈ سٹوریج، نیشنل ریفائنری اور امین فیبرکس جیسے منافع بخش ادارے معرضِ وجود میں آئے اور دیکھتے ہی دیکھتے امین چمڑے اور کھالوں کے معمولی تاجر کی بجائے پاکستان کے صفِ اوّل کے سرمایہ داروں کی صف میں آگئے۔

۱۹۵۴ء سے ۱۹۶۹ء تک سال بہ سال امین گروپ کی ترقی کی رفتار یہ رہی۔

سال	امین جیوٹ	پاک جیوٹ بیلرز	امین ٹیکسٹائلز	پاک نیشنل آئلز	کولڈ سٹوریج	نیشنل ریفائنری	امین فیبرکس	ٹوٹل
۱۹۵۴ء	۱۲۵	۸	—	—	—	—	—	۱,۳۳
۱۹۵۵ء	۱۲۵	۸	—	—	—	—	—	۱,۳۳
۱۹۵۶ء	۱۲۵	۱۵	—	—	—	—	—	۱,۴۰
۱۹۵۷ء	۱۲۵	۱۵	—	—	—	—	—	۱ ۴۰
۱۹۵۸ء	۱۲۵	۱۵	—	—	—	—	—	۱, ۴۰
۱۹۵۹ء	۱۲۵	۱۵	—	—	—	—	—	۱, ۴۰
۱۹۶۰ء	۱۲۵	۱۵	—	—	—	—	—	۱,۴۰
۱۹۶۱ء	۱۵۰	۱۵	—	—	—	—	—	۱,۶۵

سال	امین جیوٹ	پاک جیوٹ بیلرز	امین ٹیکسٹائل	پاک نیشنل آئلز	کولڈ سٹوریج	نیشنل ریفائنری	امین فیبرکس	ٹوٹل
۱۹۶۲ء	۱۵۰	۱۵	—	—	—	—	—	۱,۶۵
۱۹۶۳ء	۱۵۰	۱۵	۳۰	۱۰۰	۱۸	۱۰۰	۸۸	۲,۹۵
۱۹۶۴ء	۱۵۰	۱۵	۳۰	۱۰۰	۱۸	۱۰۰	۸۸	۵,۰۱
۱۹۶۵ء	۱۵۰	۱۵	۳۰	۱۵۰	۱۸	۲۰۰	۸۸	۵,۵۱
۱۹۶۶ء	۱۵۰	۱۵	۳۰	۱۵۰	۱۸	۲۰۰	۸۸	۶,۵۱
۱۹۶۷ء	۲۴۴	۱۵	۴۰	۱۵۰	۱۸	۲۰۰	۸۸	۷,۳۵
۱۹۶۸ء	۲۴۴	۳۵	۵۰	۱۶۵	۱۸	۲۰۰	۸۸	۷,۸۰
۱۹۶۹ء	۲۶۹	۳۵	۵۵	۱۵۰	۱۸	۲۰۰	۸۸	۸,۵۵

پنجاب کے سرمایہ داروں میں امین تیسرے نمبر پر آتا ہے۔ صرف سہگل اور کریسنٹ اس سے آگے ہیں۔ مندرجہ ذیل تین خصوصیات کی وجہ سے امین گروپ کو دوسرے سرمایہ دار گروپوں پر فوقیت حاصل ہے۔

۱۔ مینوفیکچرنگ کے ساتھ ساتھ تجارتی کاروبار

۲۔ نوکرشاہی سے خصوصی تعلقات

۳۔ غیر ملکی سرمایہ داروں سے رابطہ

اس خاندان کے اکثر افراد نے محض تجارتی فوائد کے لئے غیر ملکی تعلیم بھی حاصل کی ہے۔

شروع شروع میں اس خاندان نے جیوٹ کی تجارت اور بیلنگ سے دولت جمع کی اور پھر ناجائز تجارتی ہتھکنڈوں کی بدولت یہ دولت انہیں صف اول کے سرمایہ داروں میں لے آئی پھر زیادہ منافع بخش کاروبار کی تلاش شروع ہوئی اور اس طرح امین گروپ نے پٹرولیم کی تجارت کی طرف رجوع کیا اس خاندان کی اہم ترین شخصیت اے جلیل اپنا بیشتر وقت بیرونی ملکوں میں گزارتے ہیں اور وہاں پٹرولیم کے سودے کر کے فارن کرنسی میں دولت کماتے پھرتے ہیں اور یہ دولت پاکستان کے کام آنے کی بجائے سیدھی غیر ملکی بنکوں میں چلی جاتی ہے۔ کتنے سرمایہ دار پاکستانی عوام کے خون سے چوسی ہوئی دولت غیر ملکی بنکوں میں جمع کر رہے ہیں اور پاکستان کی اکانومی کو تباہ کر رہے ہیں۔ اس کا حساب کون لے گا؟۔

پاک بیلرز لمیٹڈ: اس کمپنی نے ۱۹۵۱ء میں مشرقی پاکستان میں کام شروع کیا۔ اس کا مقصد بھی جیوٹ کی تجارت، پیکنگ اور بیلنگ تھا۔ نارائن گنج اور دولت پور۔ میں مشینیں لگائی گئیں۔ دولت پور والے پلانٹ کی توسیع کے لئے ۱۹۶۴ء میں PICIC سے ۶۰ لاکھ روپے کا غیر ملکی قرضہ حاصل کیا گیا اور اس طرح سے اس نئی مل نے ۱۹۶۶ء میں کام کرنا شروع کر دیا۔ اس مل کو سیکشن BB ۱۵ کے تحت ٹیکس کی مکمل چھوٹ دی گئی

امین جیوٹ ملز: یہ مل ۱۹۵۳ء میں قائم ہوئی ۱۹۵۵ء میں پلانٹ اور مشینری نصب ہو چکے تھے پھر بھی کمپنی نے صرف پانچ کھڈیوں سے کام شروع کیا۔ اب جیوٹ سے نئی نئی مصنوعات بنائی جا رہی ہیں اور زیادہ توجہ ایکسپورٹ پر دی جاتی ہے۔ اس مل کی کچھ ذیلی کمپنیاں بھی ہیں۔ مثلاً کارپٹس اور الائیڈ پروڈکٹس اور امین آئل فیلڈز لمیٹڈ۔ کارپٹس اور الائیڈ پروڈکٹس قالین پلش کے قالین جانماز اونی قالین وغیرہ تیار کرتی ہے یہ کمپنی بھی حسب معمول ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دی گئی ہر سال خاصہ منافع کماتی رہی لیکن کئی سال تک بیچارے شیئر ہولڈروں کو ایک پائی تک نہ دی گئی۔ امین آئل فیلڈ لمیٹڈ ایک غیر ملکی کمپنی کے اشتراک سے قائم کی گئی یہ کمپنی ابھی ۱۹۷۱ء تک پروڈکشن شروع نہ کر سکی

پاکستان نیشنل آئلز لمیٹڈ

یہ کمپنی ۱۹۶۲ء میں قائم ہوئی۔ اس کا مقصد پاکستان کے دونوں حصوں کے لئے پٹرولیم امپورٹ کرنا اور پھر اسے تقسیم کرنا قرار پایا۔ ۱۹۶۵ء اور ۱۹۶۶ء میں کمپنی کو پٹرولیم پراڈکٹس امپورٹ کرنے کے لئے مکمل اجارہ داری حاصل ہو گئی۔ پی این او نے ہی تربیلا ڈیم کے لئے سارے پٹرولیم پراڈکٹس سپلائی کئے۔ ملک بھر میں اس کے سروس اسٹیشنز اور پٹرول پمپوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے۔ پی این او کے بورڈ آف ڈائریکٹرز میں دوسرے سرمایہ دار گروپوں داؤد کریسنٹ، حبیب، بھوانی اور کالونی، کو بھی نمائندگی دی گئی مسٹر عبدالقادر پاکستان گورنمنٹ کے سابقہ منسٹر کو اس کا چیئرمین مقرر کیا گیا۔ بہت سارے ریٹائرڈ گورنمنٹ آفیسرز کو بڑی بڑی آسامیوں پر متعین کیا گیا۔ تاکہ وہ اپنے سابقہ اثر و رسوخ اور جان پہچان سے امین گروپ کی دولت اور اثر و رسوخ میں مزید اضافہ کر سکیں

امین ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

یہ کمپنی امین جیوٹ ملز کے احاطے میں ہی واقع ہے اور اس میں ۲۴۰۰۰ اسپنڈل ہیں

کولڈ سٹوریج اینڈ انڈسٹریز

یہ کمپنی ۱۹۵۹ء میں پرائیویٹ لمیٹڈ کمپنی کی حیثیت سے رجسٹر کرائی گئی۔ بعد ازیں اسے پبلک کمپنی میں تبدیل کر دیا گیا اور اس کا اثاثہ بڑھ کر ایک کروڑ ہو گیا۔ یہ کمپنی بھی ٹیکس سے مستثنیٰ قرار پائی۔

نیشنل ریفائنری لمیٹڈ

یہ نیشنل ریفائنری کا افتتاح ۲، اگست ۱۹۶۶ء کو صدر پاکستان کے ہاتھوں ہوا۔ ریفائنری اسفالٹ اور انڈسٹریل ڈیزل تیار کر رہی ہے۔ اس کے پراڈکٹس پاکستانی نیشنل آئلز لمیٹڈ کی وساطت سے مارکیٹ میں پہنچ رہے ہیں۔ ایک کروڑ ڈالر کا قرضہ بنک آف امریکہ سے حاصل کیا گیا۔ PICIC نے بھی ایک اور قرضہ منظور کر لیا ہے۔ ان قرضوں کی واپسی معہ سود کے امریکن ڈالر میں کی جائے گی

امین فیبرکس

۱۹۶۳ء میں قائم ہوئی۔ گورنمنٹ آف پاکستان کی اجازت سے ۲۳ لاکھ روپے کے شیئرز فن کو لمیٹڈ کو بیچے گئے تاکہ مختلف نوع کی مشینری وغیرہ درآمد کی جا سکے۔ اب یہ مل اپنا پیداوار بیرون ملک ایکسپورٹ کر رہا ہے۔ اس کمپنی نے بھی ۶۲ لاکھ روپے کا غیر ملکی قرضہ PICIC کے ذریعے حاصل کیا ہے۔

بھوانی اور کالونی گروپ کے بورڈ آف ڈائریکٹرز میں امین گروپ کے نمائندے شامل ہیں۔

اگرچہ امین گروپ تیل پٹرولیم کے کاروبار میں بے پناہ منافع کما رہا ہے۔ لیکن اس گروپ نے شیئر ہولڈرز کو کبھی بھی منافع تقسیم نہیں کیا۔



نمازی! وضو گھر سے کرکے آئیں

مشال رضوی

جی ایریا بلیر مہاجر کالونی میں عرصہ سے پانی کی قلت ہے اس علاقے کے باشندے صبح ۴ بجے سے کئی کئی فرلانگ دور تک پانی کی تلاش میں نکلتے ہیں اور ایک آدھ بالٹی بمشکل تمام حاصل کر پاتے ہیں بچے اور خواتین ہاتھوں میں ڈبے لئے پانی کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ جی ایریا کی آبادی تقریباً ۱۲۰۰۰ نفوس پر مشتمل ہے۔ یہاں پانچ بھینس باڑے اور تین دھوبی گھاٹ ہیں جن میں علیحدہ علیحدہ کنکشن لگے ہوتے ہیں۔ دھوبی گھاٹ اور ان کے نلوں میں کافی تعداد میں پانی آتا ہے۔ چند قدم پر جو نل نصب کئے گئے ہیں ان میں قطرہ قطرہ پانی آتا ہے جب کہ ڈسٹری بیوٹر لائن ایک ہی ہے۔ اس علاقہ میں مدینہ مسجد ہے جہاں کے ڈی اے نے الگ کنکشن دے رکھا ہے۔ مگر اکثر اوقات موذن کو اذان کے بعد یہ اعلان کرنا پڑتا ہے کہ "نمازی حضرات برائے کرم وضو گھر سے کرکے آئیں"۔ اس علاقہ کے سماجی کارکنوں ڈاکٹر عبدالشکور، عمر دراز، جاوید اختر اور ضیاء الدین نے بتایا ہے کہ موجودہ واٹر سپلائی لائن ۱۹۵۶ء میں کوارٹروں کی تعمیر کے سلسلہ میں عارضی طور پر بچھائی گئی تھی۔ اور وہی پرانی لائن اب تک کام کر رہی ہے ۶۶ء میں اس علاقے سے شکایتیں جب بڑھ گئیں تو ٹاؤن کمیٹی نے ضلع کونسل سے رابطہ قائم کیا اور بیس ہزار روپیہ کی رقم سے ۶ انچ موٹی پائپ لائن بچھانے کے لئے منظور کروائی لیکن یہ پائپ لائن چند فرلانگ تک بچھائی گئی۔ اور پھر کچھ عرصہ بعد نامعلوم وجوہ کی بنیاد پر روک دی گئی۔ یہاں کی گلیوں میں گھپ اندھیرا چھایا رہتا ہے۔ جس سے چوری کا اندیشہ رہتا ہے۔ جگہ جگہ کوڑے کرکٹ کے ڈھیر لگے ہوتے ہیں۔

سماجی کارکن عمر دراز خاں نے بتایا ہے کہ ہم نے بلیر کالونی کے مسائل کے سلسلے میں جناب محمد موسیٰ سابق گورنر مغربی پاکستان سے رابطہ قائم کیا اور ملاقات کے لئے وقت مانگا۔ موصوف نے ملاقات کا وقت نہ دیا البتہ ایک خط میں کمشنر کراچی سے یہاں کے مسائل کے لئے رجوع کرنے کو لکھا۔ اور ایک خط کی نقل کمشنر آفس بھی بھیجی۔ کمشنر آفس سے رپورٹ طلب کی گئی۔ ہم نے اخبار کے تراشے وغیرہ ترتیب دے کر ایک فائل مرتب کی اور تفصیلی خط کمشنر کو ارسال کیا جس میں ملیر بلدیہ کے عنوان سے بلدیہ کا مطالبہ بھی کیا گیا۔ اس خط کے جواب میں ایک خط کمشنر آفس سے آیا جس میں تحریر تھا کہ آپ کے علاقہ کے مسائل ڈائریکٹر جنرل کے ڈی اے کراچی اور چیئرمین بلدیہ کراچی کو بھیج دیئے گئے ہیں چنانچہ آپ وہاں رابطہ قائم کریں اور یہ چکر جولائی ۱۹۶۸ء سے چلتا رہا اور آخر کار جون ۱۹۶۹ء تک طے پایا اور ملیر ڈرگ بلدیہ کے نام سے ایک ادارہ منظور کر دیا گیا۔ اور کراچی بلدیہ سے ایک آفیسر کو اس بلدیہ کا نیا چیئرمین مقرر کیا گیا اور ایک لاکھ روپیہ بطور قرضہ نئی بلدیہ کو دیا گیا لہٰذا ہماری بلدیہ دسمبر ۱۹۷۰ء تک قرضوں پر چلتی رہی۔ کچھ عرصہ کے بعد بی ڈی چیئرمینوں کو اس بلدیہ کے کونسلر بنا دیا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نیا درخت لگا کر اس میں گرم پانی ڈال دیا گیا ہونا یہ چاہیئے کہ مضافاتی بستیوں کو ادارہ ترقیات کراچی کے کنٹرول سے نکال کر کراچی میونسپل کارپوریشن کی حدود میں کر دیا جاتے۔ اس طرح وہ تمام سہولتیں فراہم ہوجاتیں گی جو ایک میونسپل کمیٹی کے علاقے کو ہوتی ہیں اور یہ بلدیہ کراچی بلدیہ کا ایک ذیلی ادارہ ہوجائے گی۔ مگر جب کراچی انتظامیہ کا فیصلہ ہمارے سامنے آیا تو معلوم ہوا کہ ہم لوگوں کے ساتھ اچھوتوں جیسا سلوک کیا گیا ہے اس کے پیچھے جو جذبہ کارفرما تھا اگر مضافاتی بستیوں کو کراچی میونسپل حدود میں شامل کیا گیا تو کے ایم سی یعنی کراچی بلدیہ کی گورننگ باڈی میں مضافاتی بستیوں کے نمائندوں کو بھی شامل کرنا پڑے گا۔ اور جب وہاں کے نمائندے آئیں گے تو وہاں کی ترقیاتی اسکیموں کے لئے مطالبات کریں گے اور پھر کراچی کے اٹھارہ کروڑ روپے کے بجٹ میں سے مضافات کے لئے کچھ رقم مخصوص کرنی پڑے گی تاکہ اس علاقہ کی ترقیاتی اسکیموں پر کام ہوسکے۔ چنانچہ کراچی انتظامیہ اور کراچی بلدیہ کی انتظامیہ نے ان تمام حالات کے تحت الگ ملیر ڈرگ بلدیہ کو منظور کر کے ایک علیحدہ ادارہ قائم کر دیا گیا تھا۔ اور تقریباً ڈیڑھ سال تک یہ بلدیہ قرضوں کے بل بوتے پر چلتی رہی کیونکہ اس علاقہ میں آمدنی کے وسائل تو نہیں تھے چنانچہ عمر دراز خان نے ملیر ڈرگ بلدیہ کو موثر طور پر کام کرنے کے قابل بنانے اور کراچی بلدیہ کا ذیلی ادارہ بنانے کا مطالبہ بھی کیا تھا۔ لہٰذا ۲۲ جنوری کو حکومت سندھ نے اعلان کیا کہ ملیر ڈرگ بلدیہ کو توڑ کر لانڈھی کورنگی بلدیہ میں ضم کر دیا گیا ہے۔

جب سے بلدیہ لانڈھی کورنگی میں یہ علاقہ ضم ہوا ہے روشنی اور صفائی کا انتظام بالکل ناقص ہے۔ یہاں کی گلیوں میں گھپ اندھیرا چھایا رہتا ہے۔ اور جگہ جگہ کوڑا کرکٹ کے انبار لگے رہتے ہیں۔

کیمبلپور

آپ بالائی آمدنی پر گذارا کیجئے

نمائندہ خصوصی

تحصیل فتح جنگ کے سیاسی سماجی اور عوامی حلقوں نے محکمہ جنگلات حلقہ فتح جنگ کے افسران پر بے قاعدگیوں کا الزام لگاتے ہوئے کہا کہ محکمہ کے افسران اہلکاروں اور ٹھیکیداروں کے باہمی ملی بھگت اور منظم گٹھ جوڑ سے کالا چٹا پہاڑ میں جنگلات کو زبردست نقصان پہنچا ہے۔ ان حلقوں نے محکمہ جنگلات میں سو سالہ پرانا اور فرسودہ غیر کاغذی (غیر سرکاری نظام) کو ختم کرنے کا مطالبہ کیا۔ جس کے تحت محکمہ جنگلات کے بعض رینج افسر صاحبان اپنے ماتحت فارسٹروں اور فارسٹ گارڈوں

الفتح کراچی

کی ماہانہ تنخواہ ادا نہیں کرتے بلکہ صرف وصولی کے دستخط لیتے ہیں اور انہیں بالائی آمدنی پر گزارا کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ بالائی آمدنی جس میں ایندھن لانے اور مویشی چرانے کا معاوضہ بھوسہ گندم مرغ انڈے اور بیگار ماہانہ اور فصلانہ شامل ہیں اصل تنخواہ سے کئی گنا زیادہ ہو جاتے ہیں جس سے محکمہ کے اہلکاروں کا معیارِ زندگی ان کی اصل تنخواہوں سے کئی گنا زیادہ ہے

عوام جنگلات کو خودغرض عناصر کے ہاتھوں تباہ ہوتا دیکھ کر بھی اپنے آپ کو بے بس پاتے ہیں۔ سننے میں آیا ہے کہ جنگلات کے ٹھیکوں کی فروخت سے لے کر ڈھلائی اور کٹائی تک ایسے بے شمار مواقع آتے ہیں جہاں محکمہ کے اہلکار ٹھیکیداروں کی مرضی کے مطابق کام کر کے انہیں لاکھوں روپے کا فائدہ پہنچاتے ہیں اور اس کے بدلے میں اپنا مقررہ حصہ وصول کرتے ہیں۔ اس کالے دھندے کا سب سے بڑا اور بین ثبوت یہ ہے کہ محکمہ کے اہلکاروں اور افسروں کی جائیدادوں اور معیار زندگی میں حیرت انگیز حد تک اضافہ ہوا ہے۔ حکومت کو جنگلات کی قومی دولت کے تحفظ کے لئے انقلابی بنیادوں پر اقدامات کرنے چاہئیں اور کالی بھیڑوں کو برسرعام اور عبرتناک سزائیں دی جائیں۔

ملک محمد عرفان صدر سوات ویلی کسان فرنٹ نے گورنر پنجاب لفٹیننٹ جنرل عتیق الرحمٰن سے مطالبہ کیا ہے کہ زرعی ترقیاتی کارپوریشن کے ترقیاتی منصوبہ "سوات ویلی لینڈ امپرومنٹ پراجیکٹ تلہ گنگ" میں افسران کو مبینہ بدعنوانیوں، غبن کے واقعات، غیر ضروری مشینری کی خرید اور ضیاع اور غیر ضروری عملہ کی پرورش اور ناکارآمد عملہ کی تخفیف اور ان واقعات کے نتیجہ میں وادیٔ سوات کے ہزارہا کسانوں پر کی جانے والی ناقابل بیان زیادتیوں اور بے انصافیوں کی اعلیٰ سطح پر تحقیقات کرائی جائے اور بدعنوانیوں کے مرتکب افراد کو عبرتناک سزا دی جائے اور ان کے اثاثوں کا فالتو حصہ بحق سرکار ضبط کر لیا جائے۔

کنری پاک

نمازیوں کے کانوں میں فلمی گانوں کی آواز آتی ہے

خلیل الرحمٰن اختر

کنری مرخ مرچ کے اعتبار سے پاکستان کی سب سے بڑی منڈی ہے، یہاں اندرون ملک کے علاوہ بیرون ملک کے تاجر خریداری کے لئے آتے ہیں۔ اس علاقہ میں ڈنڈی کٹ مرچ کی کاشت کے علاوہ کپاس اور گندم کی پیداوار بھی بہت ہوتی ہے اس شہر نے ۲۴ سال کے عرصہ میں قابل رشک ترقی کی ہے۔ شہر کی ترقی میں ٹاؤن کمیٹی کنری نے بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس وقت شہر میں کئی ادارے ٹاؤن کمیٹی کی زیر نگرانی چل رہے ہیں۔ کمیٹی کا خوبصورت دفتر، کنری کا بی کلاس ریلوے اسٹیشن، صدر تھانہ، صدر ڈاک خانہ، کپاس کے دو بڑے کارخانے، ۴ پرائمری اسکول ۲ گرلز اسکینڈری اسکول، ایک گورنمنٹ ہائی اسکول، زنانہ سرکاری ہسپتال، مردانہ سرکاری ہسپتال، جانوروں کا سرکاری ہسپتال اور ایک شاندار لائبریری اس کے علاوہ حال ہی میں ٹاؤن کمیٹی کنری نے شہر کے مغرب کی جانب ایک بڑا اور دلکش پارک بنایا ہے۔ جس کی وجہ سے شہر کی خوبصورتی دوبالا ہو گئی ہے، شہر کے مشرق کی طرف ریلوے اسٹیشن کے بالکل قریب سے ایک بڑی نہر گذرتی ہے جس کا دلکش منظر بھی دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

شہر کی... ۱۴ کی آبادی میں غیر مسلموں کی ایک بڑی تعداد شامل ہے، شہر کے جنوب مغرب میں تقریباً اٹھارہ سال قبل ایک سینما ہال کی تعمیر ہوئی تھی۔ جس کی چھت ابھی تک نہیں بنائی گئی ہے۔ لیکن سینما ہال کی بوسیدہ دیواروں کے ساتھ باہر کی جانب دونوں طرف برآمدہ بنا دیا گیا ہے۔ ہری کے موسم میں بوریوں کے ٹاٹ سلائی کر کے ہال پر چھت ڈال دی جاتی ہے۔

شام ہوتے ہی سینما کی ریکارڈنگ شروع ہو جاتی ہے جو تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ مسلسل جاری رہتی ہے اس ریکارڈنگ کی زوردار آواز شہر کے بیشتر حصہ میں سنائی دیتی ہے۔ سینما ہال سے تھوڑے فاصلے پر دو مساجد ہیں جن میں عشاء کی نماز پڑھنا بہت دشوار ہو گیا ہے۔ عشاء کی نماز کے لئے جو نمازی آتے ہیں، ان کے کانوں میں امام صاحب کی آواز کی بجائے فلمی ریکارڈوں کی آواز آتی ہے۔ سینکڑوں مرتبہ سینما والوں سے گذارش کی گئی کہ نماز ختم ہوتے تک ریکارڈنگ نہ کریں یا دھیمی آواز میں ریکارڈ بجائیں۔ لیکن ان پر زبانی باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ سینما ہال میں تیسری کلاس کے تماشائی نیچے کچی زمین پر بیٹھتے ہیں۔ بعض اپنے ساتھ چادریں لاتے ہیں۔ بکینڈر

کلاس والوں کے لئے بغیر ٹیک کے بنچ رکھے گئے ہیں فرسٹ کلاس میں بیٹھنے والوں کیلئے ٹیک والے بنچ رکھے گئے ہیں جنکی حالت خستہ ہے، ہال میں تماشائی بھیڑ بکریوں کی طرح بھر دیئے جاتے ہیں، مذکورہ تینوں کلاسوں کے علاوہ اوپر دو گیلریاں بنائی گئی ہیں، جس کا ایک حصہ مردوں اور دوسرا عورتوں کے لئے مخصوص ہے گیلری میں جا کر دیکھا تو چند ادھوری سی کرسیاں نظر آئیں اور چند شائقین کو دیکھا جو اپنے لئے کرسیاں کندھوں پر اُٹھائے چلے آ رہے تھے۔

جہلم

سائیکل اسٹینڈ کی مرمّت میں ہزاروں کا غبن

نمائندہ خصوصی

تقریباً ڈیڑھ سال قبل چوہدری محمد صادق نے میونسپل اسلامیہ ہائی اسکول جہلم کے ہیڈ ماسٹر کا عہدہ سنبھالا۔ ابتداً ہی سے انہوں نے اسکول کا جنازہ نکالنے کا تہیہ کر لیا۔ اسکول کو اپنی جاگیر سمجھتے ہوئے لوٹ کھسوٹ اور بدعنوانیوں کا بازار گرم دیا اسکول کا سائیکل اسٹینڈ پہلے کا بنا ہوا تھا، سائیکل فنڈ آٹھ ہزار کے لگ بھگ تھا، موصوف نے موسم گرما کی دو ماہ کی چھٹیوں میں سائیکل اسٹینڈ کی مرمّت کروادی اور اس کی لاگت ۶۸۰۰ روپے ظاہر کی جب حساب کتاب آڈیٹر لوکل فنڈ کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے صاف طور پر لکھا کہ اس مرمت میں چار ہزار روپے کا غبن کیا گیا ہے۔ اور سائیکل اسٹینڈ کی مرمت پر کسی طرح سے بھی ۲۵۰۰ ہزار روپے سے زیادہ لاگت نہیں آئی یہ بھی معلوم ہوا کہ اسکول کے دو چپڑاسیوں کو بطور مزدور اسٹینڈ کی تعمیر میں لگایا گیا۔ اور انہیں مزدور ظاہر کر کے ان کی مزدوری ہیڈ ماسٹر نے اپنی جیب میں رکھ لی اساتذہ اور شہریوں نے اس غبن پر احتجاج کیا، ڈپٹی کمشنر اور چیئرمین بلدیہ کو تحریری شکایات کیں، مگر معاملہ دبا دیا گیا۔ اب عوام نے مارشل لاء حکام سے رجوع کیا ہے۔

اساتذہ میں سے جناب محمد انور، مولوی محمد یوسف قاضی محمد حنیف اور جناب محمد سلیم نے ہیڈ ماسٹر کی بدعنوانیوں کے خلاف تحریری شکایت کی، چنانچہ موصوف نے انہیں انتقامی کارروائیوں کا نشانہ بنایا جناب محمد انور کو چارج شیٹ دیئے اور معطل کئے بغیر ملازمت سے برخاست کر دیا گیا۔ حالانکہ وہ ایف اے سی۔ ٹی ہیں، ان کا نتیجہ سو فی صد رہا ہے اور خفیہ رپورٹ میں ان کی بہترین کارکردگی کو ہمیشہ سراہا گیا جناب محمد انور پر الزام لگایا گیا کہ وہ کلاس میں سگریٹ نوشی کرتے ہیں۔ حالانکہ انہوں نے اپنی زندگی میں سگریٹ کو ہاتھ تک نہیں لگایا جناب محمد انور کی برطرفی پر معزز شہریوں نے ڈپٹی کمشنر سے ملاقات کی۔ اور ان کی برطرفی کے اصلی محرکات بتائے۔ ڈپٹی کمشنر نے جناب محمد انور کو بحال کر دینا کا حکم دیا، مگر بلدیہ کے چیئرمین کی ملی بھگت اور حمایت کی وجہ سے ہیڈ ماسٹر انہیں بحال نہیں کر رہے ہیں، اس طرح ایک قابل استاد چار بچوں کا باپ دربدر کی ٹھوکریں کھا رہا ہے۔

قاضی محمد حنیف ۱۵ سالہ تجربہ کار اور ایس وی ٹیچر ہیں، انہیں ہیڈ ماسٹر نے یہ سزا دی۔ کہ ان کا تبادلہ پرائمری اسکول میں کر دیا۔ حالانکہ گورنر کے حکم کے مطابق ایس۔ وی، استاد کا پرائمری اسکول میں تبادلہ نہیں کیا جا سکتا۔ قاضی صاحب کو سیلیکشن گریڈ ملنے والا تھا، لیکن ہیڈ ماسٹر نے اسے روک لیا۔

اس کے علاوہ ہیڈ ماسٹر چوہدری محمد صادق اساتذہ سے میڈیکل بل منظور کرا کر ان کی رقم خود ہضم کر جاتا ہے طلبا کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اس کے حواری اساتذہ سے ٹیوشن پڑھیں۔ اور اس ٹیوشن فیس سے وہ اپنا حصہ وصول کرتا ہے شہر کے اہل ثروت غریب طلبا کے لئے اسکول کو زکوٰۃ دیتے تھے لیکن ہیڈ ماسٹر کی بدعنوانیوں کے پیش نظر انہوں نے یہ امداد بھی بند کر دی ہے اس سے غریب طلبا بہت متاثر ہو رہے ہیں

یہ اسکول ایک قومی ادارہ ہے اس میں کی جانے والی بدعنوانیاں قومی مالیات کا زیاں ہیں اساتذہ، طلبا اور شہریوں کے مطالبات ہیں کہ

۱۔ اسکول کے ہیڈ ماسٹر کو برطرف کر کے سائیکل اسٹینڈ پر خرچ ہونے والی رقم کی انکوائری کی جائے

۲۔ جناب محمد انور کو ملازمت پر بحال کیا جائے قاضی محمد حنیف کا تبادلہ ہائی اسکول میں کیا جائے۔

۳۔ زکوٰۃ فنڈ کی جانچ پڑتال کی جائے۔

۴۔ ہیڈ ماسٹر کے ایجنٹ اساتذہ کو منع کیا جائے کہ وہ طلبا کو ٹیوشن نہ پڑھیں کیونکہ ٹیوشن فیس طلبا اور ان کے والدین پر ایک گراں بوجھ ہے۔

۵۔ اساتذہ کو صحیح اور جائز مقام دیا جائے

تربیلا ڈیم - سُرخ فیتہ کی راجدھانی

غلام حیدر خاں

تربیلا ڈیم کا عظیم منصوبہ فن انجینئرنگ کا شاہکار ہے اسی طرح اس عظیم ڈیم میں سرخ فیتہ کا راج بھی شاہکار سے کم نہیں۔ اس کی انتظامیہ کا سربراہ ایک اچھا انجینئر ہے اپنے پیشہ میں کافی مہارت رکھتا ہے۔ عوامی سطح پر بھی جنرل منیجر کی ذات کو سراہا جاتا ہے تدبّر اور مہارت اچھی شخصیت کی خوبیاں ہیں۔ مگر ان کے ماتحت ایک ایسا گروہ کام کر رہا ہے جس نے متاثرین اور ملازمین کو پریشان کیا ہوا ہے۔ ڈپٹی جنرل منیجر لائیق اور سپرنٹنڈنٹ لائین سرخ فیتہ کے بڑے ستون ہیں دونوں کی ملی بھگت کا نتیجہ یہ ہے کہ گذشتہ تھوڑے عرصہ میں تقریباً ۴۰ مستقل ملازمین کو نوکری سے برخاست کیا جا چکا ہے۔ سپرنٹنڈنٹ مذکور کا دائرہ اختیار بہت زیادہ ہے وہ عملاً واپڈا تربیلا ڈیم کا مالک بنا ہوا ہے بڑے افسران کو غلط رپورٹ اور مسائل کو پیچیدہ بنا کر بھیجتا ہے اور اس فن کی آڑ میں اپنے مسلک اور نفس کو فائدہ پہنچاتا ہے استانیوں تک بھی جو دور دراز سے کسی مجبوری کی بنا یہاں پر پڑھانے آتی ہیں، اس کے ہاتھوں بے عزتی اور بداخلاقی کا نشانہ بن رہی ہیں اسکول کے پرنسپل صاحب بھی اس کے زیر اثر ہیں۔ یہ کم تعلیم یافتہ فن کار عرصہ دراز سے اسی ڈویژن میں کام کر رہا ہے۔ پہلے بھی یہ فنِ ایذا رسانی میں ماہر تھا۔ مگر انتظامیہ باشعور تھی جب سے "تماشا دیگرے نیست" کا اقتدار

شروع ہوا۔ لوگوں کے لئے انصاف کے دروازے بند ہو گئے۔ ڈپٹی صاحب غریب کی نوکری ختم کرتے وقت چھوٹا سا افسرانہ دستخط فرما دیتے ہیں۔ جو ملازمین کے لئے علامتِ عذاب ہو چکا ہے۔ ان دونوں کی ملی بھگت نے ہر ملازم کے دل میں بے چینی پھیلا دی ہے۔ عدالتوں میں واپڈا کے خلاف مقدمات کی بھرمار ہے۔ اخبارات میں روزانہ مضامین آتے ہیں۔ مگر شاید ملازمین کی آواز اتنی جاندار نہیں ہے کہ ان کے خلاف کم از کم انکوائری ہی کر دی جاتی۔ عدالتی مقدمات میں اپنی زیادتیوں اور کوتاہیوں پر پردہ پوشی کے لئے یہ حربہ استعمال ہوتا ہے۔

متاثرین تربیلا ڈیم جب مذکورہ ڈپٹی صاحب سے جو آبادکاری کے بھی انچارج ہیں، ملنے آتے ہیں تو جناب والا ان سے ملنا اپنی ہتک سمجھتے ہیں۔ خوشامد پسندی ان کی فطرت میں بہت زیادہ ہے۔ اخبارات میں تشہیر اور تصاویر چھپوانے کا بہت شوق ہے۔ ان کے اس شوق کو پبلک ریلیشن افسر اور سپرنٹنڈنٹ مذکورہ پورا کرتے ہیں۔ اسی بنا جناب ڈپٹی صاحب کے مشیر خاص بنے ہوئے ہیں۔ بدحالی تنگدستی مہنگائی کے مارے ملازمین ان دونوں اور خاص طور سے سپرنٹنڈنٹ صاحب کی خوشامد کرتے ہیں بصورت دیگر سپرنٹنڈنٹ صاحب غیر اخلاقی غیر مہذب اور غیر شریفانہ طور پر اس شخص کو بے عزت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ متاثرین میں جو لوگ صاحب حیثیت ہیں ان کا مذکورہ افسر سے ملنا آسان ہے مگر غریب جو وقت پڑے تو ملک قوم کے لئے جان پر کھیل جاتا ہے، کا ملنا نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ ہم متاثرین ڈیم اور ملازمین مطالبہ کرتے ہیں کہ سپرنٹنڈنٹ مذکورہ کو فوری طور پر تبدیل کیا جائے اور ایسی جگہ تعینات کیا جائے جہاں ملازمین اس کی زد سے بچے رہیں۔ اور ڈپٹی صاحب کو اول تو اس کام سے ہٹایا جائے یا پھر سخت تنبیہ کی جائے کہ وہ متاثرین اور ملازمین کے مسائل کو سمجھیں یہ ہی غریب عوام ہیں جس کا خون پسینہ اس قوم کا سرمایہ ہے۔ یہاں یہ لکھنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ برطرفی کے معمولی مقدمات کو بڑی عدالتوں میں لے جانے کے لئے محکمہ کو مجبور کیا جاتا ہے اور بعض معمولی مقدمات کی اپیلیں ہائی کورٹوں تک پہنچنی شروع ہو گئی ہیں تاکہ فریقین کو مالی اور ذہنی طور پر ہراساں کیا جاسکے اور اس طرح ذاتی وقار کی خاطر واپڈا اور قوم کی دولت کو ناجائز خرچ کیا جا رہا ہے۔ جس کا تدارک ضروری ہے۔

چکوال

اٹک آئل کمپنی نے سو ملازمین کو برطرف کر دیا

محمد اقبال جعفری

چکوال مسائل کا شہر بنتا جا رہا ہے

بے روزگاری پہلے ہی زیادہ تھی کہ ایک آئیل کمپنی کے تقریباً سو ملازمین برطرف کر دیئے گئے۔ اس طرف بیروزگاروں کی فوج ظفر موج تیار ہو رہی ہے۔ یہاں پر مونگ پھلی زیادہ کاشت ہوتی ہے۔ آئل فیکٹریوں کے قائم سے بے روزگاری میں کسی حد کمی کی جاسکتی ہے۔ لیکن ایک طویل عرصے کے مطالبے کے باوجود کوئی آئل فیکٹری قائم نہیں کی گئی۔ مونگ پھلی یہاں سے دوسرے شہروں میں لے جائی جاتی ہے۔ اور وہاں تیل نکالا جاتا ہے۔ اس لئے چکوال میں روزگار کے مواقع دن بدن کم ہونے جا رہے ہیں

چکوال میں پینے کے پانی کی شدید قلت ہے عوام عرصہ دراز سے بلدیہ اور شہری انتظامیہ سے سرکاری نل لگوانے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ لیکن حکام کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگی۔ وہ اپنے آپ میں مست ہیں کیونکہ انہیں تو گھر بیٹھے پانی مل جاتا ہے لیکن عوام کے وقت کا ایک بڑا حصّہ پانی حاصل کرنے میں گذر جاتا ہے۔

واپڈا اہل چکوال کے لئے رحمت کے بجائے زحمت بن گیا ہے۔ اکثر اوقات پورا پورا دن اور ساری رات بجلی نہیں آتی۔ عموماً یہ ہوتا ہے کہ موسم سرما میں رات کے وقت بجلی غائب رہتی ہے اور گرما میں دن کے وقت لیکن بل پہلے سے زیادہ رقم کے آتے ہیں۔ شکایت کی جاتی ہے تو کوئی کان نہیں دھرتا۔ غرض چکوال میں "اندھیر نگری چوپٹ راج" والا معاملہ ہے۔



بیگم سروری عرفان اللہ کو اخبار نویسوں سے گلہ

الفتح کے مختلف نمائندوں سے

یکم اکتوبر کو چین کے قونصل خانے میں یوم انقلاب کے سلسلے میں استقبالیہ تھا۔ رونق حسب معمول تھی۔ اور بڑھتی جا رہی تھی۔ ایک طرف ادیب حضرات دکھائی دے رہے تھے۔ شوکت صدیقی، محسن بھوپالی، قتیل شفائی محمد علی صدیقی، دوسری طرف صحافی گھوم رہے تھے۔ ایس کے پاشا، ملکہ بلتستانی سے خصوصی گفتگو میں مصروف تھے انور خلیل تھے۔ ضمیر صدیقی، افضل صدیقی، سلطان محمد، عبدالحمید چھاپرا، مسعود حیدر، ایک کونے میں کچھ خواتین براجمان تھیں، ایک گوشے میں ریٹائرڈ جنرل محمد موسیٰ خان خالی ہاتھ کھڑے تھے۔ تھوڑی دیر میں ڈاکٹر شمیم زین الدین رحیم یار خان سے پیپلز پارٹی کی ایم این اے زاہدہ سلطانہ کو ساتھ لے کر آتی دکھائی دیں۔ اور کچھ تاجر حضرات تھے کچھ سی ایس پی حضرات، مصر کے سفیر علی خشابہ بھی نظر آئے، یوگوسلاویہ کے قونصل، کوریا کے قونصل مسٹر لوکو تو میں بھول ہی گیا، جو ہر آنے والے کو اردو میں خوش آمدید کہہ رہے تھے۔ مسٹر لو کی اردو تو اب پورے کراچی میں جانی پہچانی ہے

گورنر صاحب کو آج پنڈی سے آنا تھا۔ اور براہ راست اس تقریب میں پہنچنا تھا۔ شاید دیر ہو گئی۔ تشریف نہ لا سکے۔

بھٹو صاحب بھی خاصی دیر میں آئے۔ انہیں یہیں سے لاڑکانہ جانے کے لئے ریلوے اسٹیشن جانا تھا۔ وہ آئے تو صحافیوں اور دوسرے دوستوں نے حسب معمول گھیر لیا۔ حریت کے انقلاب ماتری بھی آس پاس ہی تھے۔ بھٹو صاحب نے انہیں آواز دی "اِدھر آؤ یار۔ تم نے اپنا نام خواہ مخواہ 'انقلاب' رکھ لیا تھا۔"

پھر کہیں سے گھومتی گھامتی بیگم سروری عرفان اللہ بھی پہنچ گئیں۔ اور آتے ہی بڑے "دلربایانہ" انداز میں پوچھنے لگیں۔ "بھٹو صاحب یہ آپ کو اخبار نویس اس طرح کیوں گھیر لیتے ہیں"! بھٹو صاحب جواب کیا دیتے صحافیوں نے جواب دے دیا۔ جواب سن کر بیگم صاحبہ کچھ کھسیانی سی ہونے لگیں، پھر مسلم لیگ کا ذکر چل پڑا۔ بیگم صاحبہ کہنے لگیں۔ مسلم لیگ نے ہی تو پاکستان بنایا تھا"! کسی نے لقمہ دیا۔ "مسلم لیگ نے تو آپ کو بنایا تھا"۔ بھٹو صاحب نے کہا "مسلم لیگ نے نہیں پاکستان عوام نے بنایا تھا۔ مسلم لیگ نے تو پاکستان کے ساتھ جو سلوک کیا، وہ بھی لوگوں کے سامنے ہے"۔ بیگم صاحبہ اپنے میک آپ سے، یہاں "میک آپ" نہ کر سکیں۔ تھوڑی دیر بعد بھٹو صاحب نے بھی کہا کہ اب یہاں سے چلنے میں ہی عافیت ہے۔

یہ تقریب ۷½ سے ۹½ تک چلی، واپسی پر یہاں سے بہت لوگوں کی بُری حالت تھی۔ مفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہے۔؟

پریس کلب میں اکثریت کی شکست

پریس کلب والوں کو اقبال بانو سے اقبال بانو کو پریس کلب سے خاصی عقیدت ہو گئی ہے۔ کلب کے حالات کچھ ہوں، اقبال بانو کی ساتھی فن کار نسیم بیگم کا انتقال ہو جائے۔ لیکن وہ پریس کلب کی تقریب میں ضرور آئیں گی، اور لہک کر گائیں گی۔ سامعین بھی رات کے تین بجے تک غزلیں، نظمیں اور گیت ضرور سنیں گے کیونکہ ملک جن حالات سے گذر رہا ہے۔ اس کا ان سے کیوں واسطہ ہے، خیر محفل سجی اور خوب سجی۔ حضور احمد شاہ آگے بیٹھے تھے، اقبال بانو کی تمام اداؤں کا رُخ شاہ صاحب کی طرف تھا۔ شاہ صاحب بھی بھولے نہیں سماتے تھے۔ ادھر مسعود حیدر جو ڈراموں کے اداکار سے صحافی بنے اور صحافی سے ... آج کل پریس کلب کے خازن ہیں۔ اور اسے ہی ہمہ وقتی ملازمت سمجھ بیٹھے ہیں خازن سے زیادہ شوق انہیں پر اکٹر بننے کا ہے حالانکہ میجر آفتاب حسن کے بھی شاگرد نہیں رہے۔ انّو بھائی صدر ہیں۔ لیکن وہ اپنے اختیارات ہمیشہ شاہ صاحب کو منتقل کر دیتے ہیں۔ جانے کیسے، کیونکہ یہاں تو لوگ اختیارات منتقل کرتے ہوئے لاکھ حیلے کرتے ہیں۔ مگر انّو بھائی نواب آدمی ہیں۔ اتنے دریا دل نہ ہوتے تو نواب کیسے ہوتے اخبار کی ملازمت کیوں کرنا پڑتی۔ اقبال بانو ہر قسم کی غزلیں سنا چکیں، اور اپنی تمام اداؤں اور سلاموں کا رُخ شاہ صاحب کی طرف کر چکیں تو آخر میں پریس کلب کے بعض ارکان نے مطالبہ کیا کہ آخر میں ایک ہلکا پھلکا گانا "نندیا چکے گی" سنایا جائے۔ اس میں اکثریت کی رائے شامل تھی۔ مگر انّو بھائی کی طرف سے شاہ صاحب نے صدارتی اختیارات استعمال کرتے ہوئے دوسرے صدروں کی طرح اکثریت کی رائے کو نظر انداز کرتے ہوئے حکم نافذ کیا کہ یہ گانا پریس کلب کی روایت کے خلاف ہے۔ اس لئے نہیں ہو سکتا۔ پریس کلب کے ممبروں کی اکثریت کی رائے تو نہ چل سکی، حالانکہ فیس وہ دیتے ہیں۔ لیکن ایک باہر کے آدمی جو نیپیئر روڈ کے بازار حسن میں اکثر گانا سنتے دکھائی دیتے ہیں۔ انہوں نے کھڑے ہو کر اقبال بانو سے کہا کہ اس وقت ٹھمری کا وقت ہے۔ اور اب صرف ٹھمری ہونی چاہیئے۔ اقبال بانو نے پریس کلب سے باہر کے آدمی کی رائے مان لی اور ٹھمری گائی۔ پریس کلب کی اکثریت منہ دیکھتی رہ گئی۔ اکثریتیں ہمیشہ منہ دیکھتی رہ جاتی ہیں۔ یہ ٹھمری بھی بھارت کی تھی۔ اور یہ بھارتی گانا جو اقبال بانو نے یہاں نہیں گایا۔ ادارہ یادگار غالب میں تین چار روز پہلے گا چکی ہیں۔

اس هفته کی اهم خبریں

صدر ناصر مرحوم کی پہلی برسی منائی گئی

قاہرہ ۲۸ ستمبر۔ مصر میں کل صدر ناصر مرحوم کی پہلی برسی انتہائی عقیدت و احترام سے منائی گئی۔ صدر ناصر مرحوم کے مزار پر پھول چڑھائے گئے۔ اور فاتحہ خوانی کی گئی۔ نوجوانوں کا ایک بہت بڑا جلوس شہر کی سڑکوں پر نکالا گیا۔

شیخ مجیب الرحمان کا مقدمہ جاری ہے

راولپنڈی۔ ۲۸ ستمبر۔ سرکاری طور پر اعلان کیا گیا ہے کہ کالعدم عوامی لیگ کے سربراہ شیخ مجیب پر پاکستان کے خلاف جنگ کرنے اور دوسرے الزامات میں مقدمے کی کارروائی جاری ہے۔ اب تک ۲۲ گواہوں کے بیانات قلمبند کرائے گئے ہیں۔ فوجی عدالت میں مقدمے کی کارروائی ۱۱ اگست سے شروع ہوئی تھی۔ مسٹر اے کے بروہی شیخ مجیب الرحمٰن کے وکیل صفائی ہیں۔ ان کی مدد غلام نبی میمن، اکبر مرزا اور جناب غلام حسین کر رہے ہیں۔

مشرقی پاکستان کی صورتحال پر تشویش

ماسکو ۲۸ ستمبر روس کے وزیر اعظم کوسیگن نے مسز اندرا گاندھی کے اعزاز میں دیئے گئے ایک ظہرانہ میں تقریر کرتے ہوئے صدر یحییٰ سے کہا کہ وہ مشرقی پاکستان میں کشیدگی کے اصل اسباب کا خاتمہ کرنے کے لئے موثر اقدامات کریں۔ انہوں نے کہا کہ اسی لاکھ سے زائد افراد کو اپنا ملک، زمین اور املاک چھوڑنے اور پڑوسی ملک بھارت میں پناہ لینے پر مجبور کرنے والی کارروائی کا کوئی جواز پیش کرنا ممکن ہے۔ روسی وزیر اعظم نے کہا کہ مشرقی پاکستان کی صورت حال پر روس کو سخت تشویش ہے

شہنشاہ ایران نے امن کی کوششیں ترک کردیں

پیرس ۲۸ ستمبر شہنشاہ ایران نے لی فگارو کے نمائندے کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ جب بھارت نے بات ماننے سے انکار کر دیا تو میں نے بھارت اور پاکستان کے درمیان مصالحت کرانے کی کوشش ترک کر دی۔ میں اپنے آپ کو زبردستی مسلط کرنا نہیں چاہتا۔

بھٹو کی تاریخی پریس کانفرنس

کراچی ۲۹ ستمبر، مسٹر بھٹو نے مطالبہ کیا ہے کہ صدر کے نئے آئینی منصوبے کے مطابق، قانونی ڈھانچے کے حکم میں ترمیم کی جائے۔ انہوں نے اپنی پریس کانفرنس میں عوامی نمائندوں کو تدریجاً اقتدار منتقل کرنے کی غرض سے ایک چار نکاتی فارمولے کا اعلان کیا ہے انہوں نے پریس کانفرنس میں اپنی کتاب "عظیم المیہ" پیش کی۔

گورنروں کی کانفرنس

راولپنڈی: صدر یحییٰ خان کی صدارت میں آج شام ایوان صدر میں گورنروں کی کانفرنس ہوئی سرکاری اعلان میں تفصیلات نہیں بتائی گئیں۔ لیکن خیال ہے کہ کانفرنس میں سیاسی صورتِ حال امن وامان کا مسئلہ اور خوراک کی صورت حال کا جائزہ لیا گیا۔

قومی تنخواہ کمیشن کی سفارشات مکمل ہوگئیں

کراچی۔ ۳۰ ستمبر۔ حکومتِ سندھ نے قومی تنخواہ کمیشن کی سفارشات کے بارے میں اپنی عبوری رپورٹ مرکزی حکومت کو بھیج دی ہے۔ رپورٹ میں نان گزیٹڈ ملازمین کی تنخواہوں میں اضافہ کی سفارش کی گئی۔ مکمل رپورٹ اکتوبر کے آخر تک پیش کی جائے گی۔

چین میں یوم آزادی کی تقریبات

پیکنگ۔ یکم اکتوبر۔ آج یہاں پورے چین میں چینی عوام نے پورے جوش وخروش کے ساتھ قومی دن کی تقریبات میں حصہ لیا۔ چینی وزیر اعظم مسٹر چو این لائی نے غیر ملکی مہمانوں کو ضیافت دی۔ اہم جگہوں اور پارکوں میں میلے اور رنگارنگ تقریبات منعقد ہوئیں۔ اس موقعے پر روائتی پریڈ کا مظاہرہ نہیں کیا گیا

سندھ میں پانی کی زبردست قلت

لاڑکانہ ۲۔ اکتوبر پیپلز پارٹی کے چیئرمین نے کہا ہے کہ دریائے سندھ میں اچانک پانی کی قلت کی وجہ سے لاکھوں ایکڑ فصل تباہ ہورہی ہے جس سے پاکستان کی قومی اقتصادیات کو زبردست نقصان پہنچ رہا ہے انہوں نے تجویز پیش کی کہ پنجاب اور سندھ کے گورنروں کو چاہیے کہ وہ فوری طور پر آپس میں ملاقات کرکے پانی کی منصفانہ تقسیم کا انتظام کریں۔

مغربی ممالک کا آخری حربہ

لندن - ۲ اکتوبر عالمی بنک نے پاکستان کو اس بات سے آگاہ کر دیا کہ جب تک سیاسی بحران موجود ہے۔ پاکستان کے امدادی کنسورشیم میں شامل مغربی ممالک پاکستان کو امداد بحال نہیں کریں گے۔

لازمی ملازمت کا آرڈیننس جاری کردیا گیا

کراچی - ۲ اکتوبر - آج ایک آرڈیننس جاری کیا گیا ہے جس کے تحت ڈاکٹروں اور انجنیئروں کو مسلح افواج میں طلب کیا جاسکتا ہے۔ یہ لازمی ملازمت آرڈیننس کہلائے گا۔

روزنامہ مساوات پر پابندی

لاہور - ۳ اکتوبر مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر زون سی نے لاہور کے اردو روزنامہ مساوات کی اشاعت پر کل سے سات روز کی پابندی عائد کردی ہے۔

ضمنی انتخابات کے پروگرام کا اعلان

اسلام آباد - ۳ اکتوبر۔ مشرقی پاکستان میں صوبائی اسمبلی کی ان باقی ماندہ ۸۸ نشستوں پر جو ارکان کے کالعدم قرار دیئے جانے کی وجہ سے خالی قرار دی گئی ہیں۔ ضمنی انتخابات ۱۸ دسمبر ۱۹۷۱ء سے ۷ جنوری ۱۹۷۲ء تک ہوں گے۔

ایک کروڑ ۲۲ لاکھ ریال کا ہار

اسلام آباد ۴ اکتوبر (پی پی آئی) شہنشاہ ایران کی ملکہ فرح کا پلاٹینم کا ایک نیکلس جس میں ہیرے، موتی اور زمرد لگے ہوئے ہیں اور بندوں کا ایک جوڑا ایک کروڑ ۲۲ لاکھ ریال میں نیلام ہوا ہے۔ بندوں کا یہ جوڑا اور نیکلس ملکہ محترمہ نے جذامیوں کی ایک انجمن کو بطور تحفہ دیا تھا جسے ایرانی ایوان تجارت وصنعت اور کانوں کے وائس چیئرمین قاسم لاجوردی نے سب سے اونچی بولی دیکر خرید لیا۔ خیال ہے کہ وہ یہ ہار دوبارہ ملکہ کو بطور تحفہ پیش کردیں گے۔



قارئین کہتے ہیں

یہاں ہر طرف نوکر شاہی کی چلتی ہے

ان دنوں ٹھٹھہ کی حالت بہت خراب ہے۔ ہر طرف افسر شاہی کی چلتی ہے۔ کوئی کسی کا پرسان حال نہیں لب کشائی کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑتی ہے پیپلز پارٹی کے کارکنوں اور حامیوں سے چن چن کر بدلہ لیا جا رہا ہے۔ عوام کے ہمدردوں کو جھوٹے جھوٹے مقدمات میں پھنسا کر حق گوئی اور جرات اظہار کی سزا دی جا رہی ہے آپ کا رسالہ مزدوروں کسانوں اور غریبوں کا سچا ہمدرد اور ترجمان ہے خدا کے لئے ٹھٹھہ پر لکھئے۔ ان کا پردہ چاک کیجئے جو غریبوں کا خون چوس چوس کر شہر کے رئیس بنے پھرتے ہیں۔ ان کا بھانڈہ پھوڑئیے جو اپنے منصب کا ناجائز استعمال کر رہے ہیں۔

محمد آمین ٹھٹھہ

مولانا! آپ کا حسن کرشمہ ساز

جماعت اسلامی، مشرقی پاکستان کے امیر غلام اعظم فاروقی نے اپنے ایک بیان میں حسب توفیق سوشلسٹوں کو کوسنے کے بعد عرض کیا "اگر پاکستان نہ رہا تو اسلام نہ رہے گا۔"

جہاں تک پاکستان کے وجود، اس کی سالمیت اور بقا کا تعلق، پاکستان کا ہر فرد بلا امتیاز رنگ و نسل مذہب و ملت اس کی خاطر اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا سکتا، اس کا جملہ حقوق، جماعتوں تک محدود نہیں، لیکن اس سے قطع نظر مولانا موصوف سے ایک سوال ضرور کیا جا سکتا ہے "مولانا صاحب کیا پاکستان سے قبل اسلام کا کوئی وجود نہ تھا اگر آپ کی یہ الٹی منطق تسلیم کر لی جائے تو کیا بات یوں نہیں بنتی کہ اسلامی کی کل عمر ۲۴ سال کی ہے۔ واہ مولانا، اسی کو کہتے ہیں، جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے۔ اظہر علی بیگ۔ اے بی سینیا لائنز کراچی۔

اُن کے چہرے کی نحوست کافی ہے

روزنامہ جسارت کی خبر ہے۔ کسی جماعتے نے تجویز پیش کی ہے کہ جماعت اسلامی کے کارکنوں کی مخصوص شناخت نہ ہونے کی وجہ سے بہت سے دشمن افراد جماعت اسلامی کے قریب آجاتے ہیں اور بعد میں جماعت کی اندرونی اور خفیہ باتیں طشت از بام کرتے ہیں۔ لہٰذا جماعت اسلامی کارکنوں کی پہچان کے لئے کوئی نشانی مقرر کی جائے۔"

یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ جماعت اسلامی کے کارکنوں کی پہچان کے لئے شناختی نشان کی کیا ضرورت ہے۔ جب کہ جماعتے دور ہی سے پہچان میں آجاتے ہیں۔ ان کے چہرے پر جو ہمہ وقت نحوست برستی رہتی ہے وہ ان کی پہچان کے لئے بہت کافی ہے

شمیم احمد۔ ڈرگ کالونی۔ کراچی۔

خدا ایسے مسلمانوں سے بچائیے

"الفتح" کا گزشتہ شمارہ بے حد دلچسپ اور معلوماتی رہا، چین کے بارے میں احفاظ الرحمٰن کا رپورتاژ پڑھ کر بہت متاثر ہوا، خاص طور پر چیئرمین ماوزے تنگ کے کمرے کی تصویر دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی جس میں ایک پلنگ اور بوسیدہ صندوق نظر آرہے ہیں۔ پیپسی کولا کی ایجنسی پڑھ کر ہنسی چھوٹ گئی۔ اسلام کے نام لیوا پیپسی کولا اور تیل کی ایجنسی کے لئے جنگ کر رہے ہیں۔ اور اسے معرکہ حق و باطل قرار دیتے ہیں خدا ایسے مسلمانوں سے ہر مسلمان کو محفوظ رکھے

(علی بیگ، حیدر آباد)

الفتح پر ہمارا بھی حق ہے

میں ایک غریب کسان ہوں اور جس دن سے آپ کا رسالہ جاری ہوا ہے میں اس دن سے آپ کے رسالے کو پڑھتا رہتا ہوں۔ آپ مبارک باد کے مستحق ہیں کیونکہ کاغذ کی مہنگائی کے باوجود آپ نے قیمت نہیں بڑھائی جناب ویسے تو آپ کا رسالہ دنیا بھر کے مظلوموں کا ترجمان ہے مگر آپ نے کبھی سندھ کے کسانوں کی بابت مضمون شائع کرنے کی تکلیف نہیں کی جناب یہ رسالہ جو غریبوں کا ترجمان ہے اس پر ہمارا حق ہے ہمارا ایمان ہے کہ آپ اور آپ کے دوسرے عوام دوست صحافی عوام کو فریب نہیں دیں گے

محمد ابراہیم۔ تعلقہ ہالا۔

یہ سوشلسٹوں کا اخبار ہے

کل سندھی ہوٹل نئی کراچی سے گذر رہا تھا بس اسٹاپ کے قریب ہی ایک بک اسٹال ہے، جہاں الفتح رکھا ہوا تھا۔ ابھی چند منٹ گذرے ہوں گے کہ ادھر سے اس علاقہ کے چند جماعتیے گذرے ان میں سے ایک جو شاید ان کا سردار تھا، ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے بولا "دیکھو۔ دہریوں کا اخبار ہمارے جذبے کو کیا ہو گیا۔ سوشلزم کی تشہیر کرنے والا اخبار کس آسانی سے فروخت ہو رہا۔ لعنت ہے ہماری زندگی پر" میں ان کے کلمات سن کر حیران رہ گیا۔ اف یہ اس قدر انسان بیزار ہوتے ہیں۔ اس کا پہلے سے گمان تک نہ تھا۔ اس نے اپنے متعلق ٹھیک ہی کہا تھا "لعنت ہے۔ ہماری زندگی پر" انشاءاللہ جماعتیے کارکنوں پر ہمیشہ اللہ کی لعنت برستی رہے گی۔

علی احمد لیاقت آباد کراچی۔

سیاہ فام حریت پسندوں پر بھی لکھئے

آپ تقریباً ہر جگہ کے حریت پسندوں اور مظلوموں کی داستان کو اپنے صفحات پر جگہ دیتے ہیں لیکن غالباً آپ نے سامراج کے گڑھ یعنی امریکہ کے مظلوموں کے متعلق کبھی نہیں تحریر کیا۔ میرا اشارہ ان سیاہ فاموں کی طرف ہے جو اپنی آزادی کے لئے سفید سامراج کے خلاف صف آرا ہیں۔ ان میں سے چند کے نام تو عالمی شہرت یافتہ ہیں مثلاً بابی سیل، انجیلا ڈیوس اور دوسرے بلیک پینتھر پارٹی کے اراکان۔

مزید ایک بات اور عرض کرنا چاہتا ہوں کہ کبھی ایک مضمون چی گویرا اور فیڈل کاسٹرو پر بھی تحریر کریں امریکہ اور لاطینی امریکہ کی تحریکوں میں ان لوگوں کا کافی ہاتھ ہے۔ اس لئے ان کے متعلق معلومات بہم پہنچائیں۔

نصر عالم / ۴/ ۱۶ / فیڈرل بی۔ ایریا کراچی ۳۸

الفتح کو چند مشورے

آپ نے جس بھرپور انداز میں سامراجیوں رجعت پسندوں۔ سرمایہ داروں جاگیرداروں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اس پر آپ قابل مبارکباد ہیں۔ چند تجاویز پیش کر رہا ہوں تاکہ الفتح کو اور بہتر بنایا جا سکے۔

ظاہری خبریں اندرونی کہانیاں۔ ۲۲ خاندان روزنامہ غالب سے روزنامہ جنگ تک کا سلسلہ مستقل جاری رکھا جائے۔

سنو آواز آرہی ہے پردہ چاک، سرمایہ دارانہ معاشرہ کا رخ۔ ضیا سرحدی کی یادداشتیں۔ ہنزہ سے چاٹگام تک افسانہ کھیل زندگی اے زندگی۔ بستی بستی کراچی کی ڈائری۔ بازگشت کے سلسلے کو ختم کیا جائے کیونکہ اس کی کوئی افادیت نہیں ہے۔

ٹائیٹل پر ہمیشہ عوامی جدوجہد کے مناظر پیش کریں۔ مثلاً ویت نام فلسطین۔ کمبوڈیا۔ لاؤس اور دیگر ممالک کے عوام کی سرفروشانہ جدوجہد کے مناظر۔ آپ الفتح کو پرولتاریہ کا ترجمان بنا کر پیش کریں اس کے لئے نظری مسائل پر مضامین مستقل شائع کئے جائیں۔ مثلاً متحدہ محاذ کیا ہے اس کا طریقہ کار عوام دوست طبقے کون سے ہیں۔ جدوجہد کا طریقہ کار انقلاب کیا ہے اور کیسے برپا کیا جاتے۔

آج دنیا بھر کے مظلوم عوام امریکی سامراج اور روسی سوشل سامراج کے خلاف ثابت قدمی سے جدوجہد کر رہے ہیں اور سرمایہ داری کے خاتمے اور سوشلسٹ نظام کے لئے کوشش کر رہے آپ ان تمام تحریکات کا جائزہ مستقل طور پر پیش کرتے رہیے۔ جو کہ آج اس روئے زمین پر سامراجیت کے خلاف لڑی جارہی ہیں

فقط۔ شاہد احمد یکم اکتوبر ۱۹۷۱ء

(لیاقت آباد۔ کراچی)

بقیہ: کراچی کی مصیبتیں

لاکھ روپے کی مالیت کے رائٹ حصص تقسیم کئے۔ اس طرح ۱۹۶۵ء میں کمپنی کا اداشدہ سرمایہ آٹھ کروڑ اسّی لاکھ روپے ہوگیا ۱۹۶۹ء میں پاکستان تمباکو کمپنی نے حصص یافتگان کو ہر چار حصص پر ایک بونس حصص یعنی دو کروڑ ۲۰ لاکھ روپے کی مالیت کے بونس حصص تقسیم کئے اس طرح کمپنی کا اداشدہ سرمایہ ۱۹۶۹ء میں گیارہ کروڑ روپے ہوگیا۔

کمپنی کی تازہ ترین رپورٹ کے مطابق کمپنی کے حصص یافتگان میں ۶۳ فیصد حصص کے مالکان غیر ملکی ہیں۔ کمپنی اسٹاک ایکسچینج میں اندراج سے ۱۹۷۱ء تک گذشتہ ۱۶ سالوں میں تقریباً ڈیڑھ سو فیصد منافع (تقریباً ساڑھے بارہ کروڑ روپے) تقسیم کر چکی ہے۔

غیر ملکی حصص یافتگان کے حصے میں آنے والا منافع بیرونی ممالک بھیجا جاتا ہے، لہٰذا اس صورت میں غیر ملکیوں کی سرمایہ کاری سے دوگناہ منافع غیر ملکی حصص یافتگان کے ذریعے زرمبادلہ کی صورت میں پاکستان سے باہر بھیجا جا چکا ہے یا بھیجا جائے گا۔

پاکستان تمباکو کمپنی ایک سگریٹ ساز ادارہ ہے ملک میں پاکستانی سرمائے سے قائم سگریٹ سازی کے کئی اہم ادارے قائم ہیں نیز سگریٹ سازی کوئی ایسی مخصوص صنعت نہیں جس میں پاکستان کی سرمایہ کاری SHY ہو، لہٰذا اس صنعت میں بیرونی سرمایہ کاری اور ہر سال کروڑوں روپے کے منافع کے زرمبادلہ کی صورت میں غیر ملکی حصص یافتگان کو ملنے سے ملکی معیشت کو نقصان پہنچتا ہے۔

کمپنی کے ایک سابق ڈائریکٹر کا صدارتی کابینہ کا رکن بن جانا اور اپنے دور وزارت میں ناجائز طور پر اپنی کمپنی کے مفاد کا تحفظ کرنا اور وہ بھی اس طرح کے ملک کی دوسری صنعتیں متاثر ہوں ایک ایسا فعل ہے۔ جس کے خلاف عوامی حلقوں میں سخت ہیجان پایا جاتا ہے

الفتح نے بارہا ملکی معیشت کے مختلف شعبوں میں ہونے والی بدعنوانیوں کے خلاف آواز اٹھائی ہے۔ ہمارا مطالبہ ہے کہ پاکستان تمباکو کمپنی اور فیاٹ کمپنی کے درمیان ہونے والے اس معاہدے کے متعلق حکومت وضاحت کرے

ہمارا یہ بھی مطالبہ ہے کہ جن جن صنعتوں میں بیرونی سرمایہ لگا ہوا ہے۔ ان صنعتوں کے حسابات دیکھے جائیں اور یہ پتہ چلایا جائے۔ کہ ان صنعتوں میں بنیادی طور پر کتنا غیر ملکی سرمایہ لگایا گیا تھا اور اب تک منافع کی صورت میں کتنی رقم زرمبادلہ کی صورت میں بیرونی ممالک کو بھیج دی گئی۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ مشرقی پاکستان کی حالیہ کابینہ میں بعض وزراء ایسے ہیں۔ جن کے مختلف صنعتی اور تجارتی مفاد ہیں ان وزراء میں سینئر وزیر جناب ابوالقاسم خان شامل ہیں، ماضی کی روایات کے مطابق یہ وزراء اپنے اپنے مفاد کے لئے کیا کچھ نہیں کریں گے؟

حکومت کو چاہیئے کہ مشرقی پاکستان کی کابینہ کے وزراء اور مغربی پاکستان کے مختلف صوبوں میں مستقبل میں قائم کی جانے والی وزارتوں کے وزیروں سے ان کے تجارتی اور صنعتی مفادات کے مطابق اثاثے ظاہر کرائے۔ اور ان سے حلف نامے لئے جائیں کہ وہ اپنے دور وزارت میں اپنے اداروں کے لئے کوئی کام نہیں کریں گے۔

بقیہ: کوئٹہ اور قلات میں

بیگ صاحب مغربی پاکستان پرولوٹ کول کے بادشاہ تھے۔ اس وقت ان سے مختلف تقریبات میں ملاقاتیں رہتی تھیں۔

اگلی صبح معلوم ہوا کہ بھٹو صاحب، خان آف قلات سے ملاقات کے لئے قلات تشریف لے گئے ہیں شام کو واپس آئیں گے اور کارکنوں سے خطاب کریں گے،

ہم نے فرصت غنیمت جانی اور خان عبدالصمد اچکزئی صاحب سے ملاقات کے لئے چلے گئے ان کا گھر نہایت سادہ ہے۔ ان کے ہاں ڈرائنگ روم نہیں بلکہ بیٹھک ہے وہی ان کا بیڈ روم بھی ہے مطالعہ گاہ بھی اور میٹنگ روم بھی ان کے کچھ عقیدت مند بھی اندر بیٹھے تھے۔ ان سے ہماری جو بات چیت ہوئی ہے۔ وہ الگ انٹرویو کی شکل میں دی جائے گی۔

آئندہ ہفتہ بلوچستان کے کارکنوں سے مسٹر بھٹو کا تاریخی خطاب جو ابھی تک کہیں مکمل طور پر شائع نہیں ہوا۔

Regd No : S - 2772

Weekly "Al - Fatah" Karachi

7—14, OCTOBER, 1971

HAQQI OFFSET PRESS. LIAQUATABAD. KARACHI